نوری

۱۹۰۰ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

زیر ادارت

امین احسن اصلاحی

قیمت فی پرچہ ساٹھ پیسے ـ
سالانہ چھ روپے (پندرہ شلنگ)

ماہنامہ میثاق لاہور

جلد (۱۰) | شعبان و رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ | شمارہ (۱)

فہرست مضامین

○ تذکرہ و تبصرہ — امین احسن اصلاحی — ۲

○ تدبر قرآن

تفسیر سورۂ بقرہ — امین احسن اصلاحی — ۹

○ افادات فراہیؒ

حکمت صوم و جہاد — خ - م — ۲۵

○ مقالات: نبیؐ بحیثیت مدبر — امین احسن اصلاحی — ۳۳

حفاظت قرآن — جناب خالد مسعود صاحب — ۴۱

○ اقتباسات و تراجم

ربع خالی کے بدوؤں کا اخلاق — تسخیر الحسن ندوی — ۵۰

○ تقریظ و تنقید — (م - ا) — ۵۵

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

منیجر ماہنامہ "میثاق"

رحمان پورہ ——— اچھرہ لاہور ۱۲

ہندوستانی خریداروں کیلئے ترسیل زر کا پتہ

منیجر ہفت روزہ "ندائے ملت"

باغ گونگے نواب ——— لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝

تذکرہ وتبصرہ

ان صفحات میں جماعت اسلامی پر حکومت کی پابندی کے بارے میں اظہار رائے کیا گیا تھا

چونکہ یہ معاملہ اب عدالت میں زیر بحث ہے اس لئے تذکرہ وتبصرہ کے جماعت سے متعلق حصہ کو حذف کر دیا گیا ہے

(۲)

قبرص سے لے کر سری نگر اور سری نگر سے لے کر کلکتہ تک جہاں دیکھیئے مسلمانوں کا خون اس بے دردی سے بہایا جارہا ہے کہ کلیجہ شق ہوتا اور دل خون کے آنسو روتا ہے۔ مسلمان جس کا خون صرف بدر و حنین اور قادسیہ و یرموک کے معرکوں کے لئے تھا، جس کے ایک ایک قطرے سے کشتِ حق کو سیرابی، تاریخ کو زندگی، کلمہ حق کو بلندی، ایمان کو روئیدگی، جمالِ اُمت کو تابانی اور ایمان و اسلام کو درخشندگی حاصل ہوتی تھی، آج وہ قبرص، سری نگر اور کلکتہ کی گلیوں میں اور سڑکوں پر پانی کی طرح بہہ رہا ہے اور کوئی نہیں ہے جو آج ان ظالموں سے محاسبہ کر سکے جو اُمتِ محمدؐ کو اس بے دردی سے پامال کر رہے ہیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہؓ کے سامنے فرمایا کہ ایک دن وہ بھی آئے گا کہ تم قوموں کیلئے خوانِ یغما بن جاؤ گے، صحابہؓ نے پوچھا یارسول اللہ کیا ایسا اس وجہ سے ہوگا کہ اس زمانے میں ہماری تعداد تھوڑی ہوگی؟ حضورؐ نے فرمایا نہیں، اس وقت تمہاری تعداد تو آج کی نسبت سے بہت زیادہ ہوگی۔ لیکن تمہاری حیثیت بالکل سیلاب میں بہنے والے خس و خاشاک کی ہوجائے گی، صحابہؓ کو حیرانی ہوئی کہ آج جب ہم گنتی کے چند نفوس ہیں اور ہماری سطوت کا یہ عالم ہے کہ زمین و آسمان ہم سے تھرلتے ہیں تو جب ہماری تعداد زیادہ ہوگی تو ہم اتنے بے رعب و بے حیثیت کیوں ہوجائیں گے کہ قومیں ہمیں خوانِ یغما بنالیں گی اور ہم خس و خاشاک ہوکر رہ جائیں گے، انہوں نے سوال کیا، یارسول اللہ! اس کا سبب کیا ہوگا؟ حضورؐ نے فرمایا تمہارے دلوں میں "وہن" پیدا ہوجائے گا۔ صحابہؓ نے پوچھا، یارسول اللہ! یہ "وہن" کیا بلا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا، دنیا کی محبت اور موت کا ڈر!

آج دیکھئے تعداد کے لحاظ سے ہمارا کیا حال ہے؟ اور پھر دیکھیئے کہ اس تعداد کے باوجود ہم کس طرح ہر ایک کے لئے ایک لقمۂ تر بن کر رہ گئے ہیں، قبرص، سری نگر، کلکتہ اور دہلی میں سے کس نے ہمارے جاہ و جلال کے تماشے نہیں دیکھے ہیں اور کہاں ہم نے اپنی عظمت و فرمانروائی کے پرچم نہیں لہرائے ہیں؟ لیکن آج تاریخ نے اس طرح ہم سے منہ موڑ لیا ہے گویا وہ کبھی ہم سے آشنا ہی نہیں ہوئی۔ جب ہم خدا

کے لئے جیتے تھے اور اس کے لئے مرنے کو اصل زندگی سمجھتے تھے کلکتہ، سرنگا پٹم اور قبرص سب ہمارے رحم و کرم پر تھے، جب ہم اپنے لئے جینے اور اس جینے کے لئے موت سے ڈرنے لگ گئے تو دیکھئے کس طرح گیدڑ ہمارے لئے شیر بن گئے۔ فَاعْتَبِرُوْا يَا أُولِي الْأَبْصَار!

اس عام مایوسی میں ایک خبر ذرا اچھی آئی ہے۔ وہ یہ کہ اسرائیل نے امریکہ کی شہ سے دریائے اُردن کا رخ موڑنے اور عرب کو تباہ کرنے کی جو اسکیم بنائی ہے اس نے اب پوری قوم عرب کو بیدار کردیا ہے۔ اور اس کے تمام فرمانروا اپنی زندگی اور موت کے اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے جمال عبدالناصر کی دعوت پر قاہرہ میں جمع ہوئے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قوم عرب کو ایک مرتبہ پھر سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح جوڑ دے اور اس کو وہ قوت و طاقت دے کہ وہ اسرائیل کی لعنت سے سرزمین عرب کو پاک کر سکے۔ ہم نے پچھلے دنوں عرب کی سیاست پر ایک مضمون لکھا تھا جس میں توقع ظاہر کی تھی کہ سامراجیوں کی تمام سازشوں کے علی الرغم ان شاء اللہ ایک دن عرب جمال عبدالناصر کی قیادت میں متحد ہو کر رہیگا۔ اگرچہ اپنے اس مضمون پر ہم نے اصحاب الاغراض کی طرف سے بہت گالیاں سُنیں لیکن اب شاید ہماری پیشینگوئی کے پورے ہونے کا وقت آگیا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جمال عبدالناصر کو عرب کی قیادت کا اہل بنائے، اس کے اندر صلاح الدین ایوبی کا عزم و ایمان پیدا کرے اور اس کے ہاتھوں اسرائیل کا قلع قمع کرے!!

(۳)

"حلقہ تدبر قرآن" کا کام بفضل خدا پورے اہتمام و التزام کے ساتھ جاری ہے۔ پہلے گروپ کے طلبہ نے مقدمہ ابن خلدون کا معتدبہ حصہ پڑھ لیا، اب وہ اس کی عبارت روانی کے ساتھ پڑھنے اور اس کے مطالب بے تکلف اخذ کرنے لگے ہیں۔ اہل علم جانتے ہیں کہ یہ کتاب زبان اور معنی دونوں ہی اعتبار سے ہماری علمی کتابوں میں ایک معیاری چیز سمجھی جاتی ہے۔ ہمارے مولانا شبلی نعمانیؒ تو اس کتاب کو یہ درجہ دیتے تھے کہ جو طالب علم اس کو سمجھنے لگ جائے اس کو وہ سند فضیلت کا حقدار سمجھ لیتے تھے۔ یہ محض فضل الٰہی ہے کہ نہایت ہی قلیل مدت میں یہ طلبہ عربی میں اس مقام تک پہنچ گئے۔ اب میں نے مقدمہ کی جگہ ان کو حماسہ شروع کرا دیا ہے تاکہ یہ اصل عربی شاعری اور اس کی خوبیوں اور نزاکتوں سے بھی اچھی طرح آشنا ہو جائیں۔ میں نے کچھ اسباق پڑھا کر یہ اندازہ کر لیا ہے کہ اس کے پڑھنے اور سمجھنے کے لئے ان کے اندر پوری استعداد پیدا ہو چکی ہے۔ میرا ارادہ یہ ہے کہ ان کو حماسہ پورا پڑھا دیا جائے تاکہ عربی زبان میں ان کو پورا اعتماد حاصل ہو جائے۔

رمضان شریف کے مہینے میں توقع ہے کہ مسلم شریف پوری ختم ہو جائے گی اور قرآن شریف پندرہ پاروں تک ہو جائے گا۔ مسلم شریف کے بعد ان کو فقہ اسلامی میں بدایۃ المجتہد پوری پڑھانے کا ارادہ ہے اور اسی کے ساتھ اصول فقہ۔ بدایہ کے ختم ہونے کے بعد زندگی ہے تو اسرار دین میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی حجۃ اللہ البالغہ پڑھاؤں گا۔ اس کے بعد میرا اندازہ یہ ہے کہ انہیں کسی چیز کے سبقاً پڑھانے کی ضرورت باقی نہیں رہیگی بلکہ یہ ہر چیز کے مطالعہ اور ان سے اخذ و استنباط کی راہیں خود کھول لیں گے اور یہی میرا مقصود ہے۔

یہ طلبہ اسلامی ذہن و فکر رکھنے کے ساتھ ساتھ عملاً اور صورۃً بھی خدا کے فضل سے مسلمان ہیں۔ میں نے یہ نئے قسم کے مُلّا تیار کئے ہیں جو ان شاء اللہ مُلّا کہے جانے سے کسی شرمندگی کا احساس نہیں کریں گے بلکہ خوش ہوں گے۔ ان میں سے ہر ایک نئی تعلیم کے تمام اسلحہ سے بھی مسلح ہے۔ خدا نے چاہا تو یہ اسلام کی حمایت اور الحاد و بے دینی کے خلاف جہاد کے لئے دو دہاری تلوار ثابت ہوں گے۔

میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے اور اب پھر عرض کرتا ہوں کہ میں نے اس کام کو جاری رکھنے کا عزم کر لیا ہے اور اس کو ایک باقاعدہ ادارے کی شکل میں لانا چاہتا ہوں۔ یہ بات بھی بے تکلف عرض کرتا ہوں کہ مجھ میں کسی اور کام کی صلاحیت ہو یا نہ ہو لیکن اس کام کی صلاحیت مجھ میں موجود ہے، اگر وسائل حاصل ہو جائیں تو میں چاہتا ہوں کہ میرے مرنے سے پہلے یہ ایسی شکل اختیار کرلے کہ کام برابر جاری رہ سکے۔ میرے مخلصین میں سے حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب اور سردار محمد اجمل خان صاحب انصاری عملاً تعاون کر رہے ہیں بعض دوسرے احباب میں بھی کچھ حرکت پیدا ہوئی ہے لیکن ضرورت تمام دوستوں، کرمفرماؤں اور قدردانوں کے اجتماعی تعاون کی ہے۔ میرے نزدیک اس وقت دین کی خدمت کے لئے اس سے زیادہ مفید کام کوئی بھی نہیں، کاش میری طرح میرے تمام دوستوں کی سمجھ میں بھی یہ بات آجائے۔

بعض حضرات جو اسی طریقہ پر کام کرنا چاہتے ہیں خواہش کر رہے ہیں کہ ہم نے اس تعلیم کے لئے جو نصاب بنایا ہے وہ شائع کر دیا جائے تاکہ دوسرے لوگ بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ ہم نے اس طرح کے مخلصین کی خواہش کو محض اس خیال سے اب تک نظر انداز کیا کہ ہمارا پہلا گروپ تجربہ کی تمام منزلوں سے گزر جائے تو ہم مستقل نصاب کے مسئلہ پر زیادہ بہتر رائے دے سکیں گے۔ زندگی ہے تو اگلے سال کے رمضان تک ان شاء اللہ اس گروپ کا کام پایۂ تکمیل تک پہنچ جائیگا اس وقت ہمارا ارادہ ہے کہ ہم اس کام کے تمام قدر دانوں کو جمع کر کے اپنی ساری اسکیم ان کے سامنے رکھ دیں گے اور ساتھ ہی توقع ہے

کہ اس اسکیم کے نتائج و ثمرات بھی ان کو دکھا سکیں گے۔

اب تک ہم نے جو کچھ کیا ہے تجربے کے طور پر کیا ہے اور الحمد للہ اس تجربے کو نہایت کامیاب پایا ہے۔ میں نے ان طلبہ کو صرف نحو مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کے طریقے پر بطریق مشق پڑھائی ہے اس میں شاید ڈھائی تین ماہ سے زیادہ کی مدت نہیں لگی ہے۔ (یہ واضح رہے کہ یہ طلبہ میرے پاس دو گھنٹے سے زیادہ وقت صرف نہیں کرتے) اس کے بعد مولانا مرحوم ہی کی تیار کی ہوئی ایک ابتدائی ریڈر ان کو پڑھا دی اور اس میں زبان کے ساتھ ساتھ نحوی مسائل کی طرف از سر نو توجہ دلا دی۔ ساتھ ہی قرآن مجید کا درس روز اول سے برابر ہوتا رہا جس میں نحو، زبان نظم کلام اور تاویل آیات ہر چیز ان کے سامنے آتی رہی۔ ریڈر کے بعد ادب میں مزید ترقی کے لئے ان کو کلیلہ و دمنہ پڑھائی گئی اور اس کے بعد ان کو مقدمہ ابن خلدون شروع کرا دیا گیا۔ میرا خیال تھا کہ مقدمہ پورا پڑھایا جائے لیکن کچھ عرصہ کے بعد طلبہ نے محسوس کیا کہ اب وہ اس کے مطالب بآسانی اخذ کر سکتے ہیں اس وجہ سے اس کو سبقاً پڑھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ اس کو ہٹا کر حماسہ (ابو تمام) شروع کرا دیا گیا ہے میرا خیال یہ ہے کہ یہ پورا پڑھا دیا جائے تاکہ عربی زبان، اس کے قواعد اور اس کے اسالیب سے ان کی نظر اچھی طرح آشنا ہو جائے لیکن صحیح اندازہ آگے چل کر ہو سکے گا کہ یہ کتنا پڑھایا جائے۔ اس کے بعد عربی ادب میں ان کو کوئی چیز سبقاً پڑھانے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی یہ ہر چیز کا مطالعہ خود آسانی سے کر سکیں گے۔ ہر فن کی مستند کتابوں کی حیثیت اور ان کے مراتب سے ان کو برابر آگاہ کیا جا رہا ہے تاکہ وہ اُن سے فائدہ اٹھا سکیں۔

حدیث میں مسلم شریف اس وقت ہو رہی ہے، کوشش یہ ہے کہ رمضان کے اخیر تک یہ ختم ہو جائے۔ اس کے بعد حدیث میں کسی کتاب کے پڑھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ متن اور شرح اور اصول کی تمام مستند کتابوں سے ساتھ ساتھ انہیں آگاہ کیا جا رہا ہے تاکہ عند الضرورت ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔

حدیث کے بعد فقہ میں ابن رشد کی بدایۃ المجتہد پوری پڑھانے کا ارادہ ہے یہ کتاب ایک تو جامع و مختصر ہے، دوسری خوبی اس میں یہ ہے کہ اس میں فقہ اسلامی کے تمام مذاہب اور ان کے دلائل بیان ہوئے ہیں۔ اس کے ساتھ کوئی کتاب اصول فقہ میں بھی پڑھانی ہوگی۔ لیکن ابھی تک اس کے لئے کوئی موزوں کتاب منتخب نہیں ہو سکی ہے۔ ایک دو نئی کتابوں کی تعریف سُنی ہے، ان کے حاصل کرنے کی فکر ہے۔ شاید ان میں کوئی مطلب کی نکل آئے۔ (باقی بر صفحہ ۵۴)

تدبرِ قرآن

امین احسن اصلاحی

۳۵

تفسیر سورۂ بقرہ

۷۰ - آگے کا مضمون (آیات ۲۰۴-۲۱۴)

اُوپر حج کے بیان کے سلسلے میں، آخر میں یہ بات جو آگئی تھی کہ بعض لوگ حج کو صرف اپنی دنیوی تمنا برآریوں کا ذریعہ بناتے ہیں، آخرت کی طلب سے ان کے سینے بالکل خالی ہوتے ہیں، یہیں سے کلام منافقین کے ذکر کی طرف مڑ گیا اس لئے کہ جو لوگ اتنے دنیا طلب ہوں کہ حج کی دُعاؤں میں بھی اپنی دنیا ہی بنانے کی کوشش کریں وہ منافق ہی ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ان کے ذکر کی مناسبت سے چند آیتوں میں منافقین کے کردار پر تبصرہ بھی ہو گیا اور ساتھ ہی پکے اہل ایمان کا جو کردار ہونا چاہئے اس کا ذکر بھی آگیا اور ان کو بعض مناسب موقع ضروری تنبیہات بھی کر دی گئیں تاکہ منافقوں کی منافقانہ روش ان کے لئے کسی ٹھوکر کا باعث نہ بنے ——

اس روشنی میں آگے کی آیات تلاوت فرمائیے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ
قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝۲۰۴ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ
الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝۲۰۵ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ
الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝۲۰۶ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ
نَفْسَهُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝۲۰۷ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا
فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۲۰۸ فَاِنْ
زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۲۰۹ هَلْ
يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ

ع ۲۵ وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُوْرُ ۲۱۰ سَلْ بَنِيْ إِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍ بَيِّنَةٍ ۗ وَ
مَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَإِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۲۱۱ زُيِّنَ
لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا
فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۲۱۲ كَانَ النَّاسُ
أُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۖ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ
بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ إِلَّا الَّذِيْنَ أُوْتُوْهُ
مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا
فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهٖ ۗ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۲۱۳ أَمْ حَسِبْتُمْ
أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۖ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَآءُ
وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۗ أَلَا
إِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۲۱۴

اور لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جن کی باتیں تو اس دنیا کی زندگی میں تمہیں بڑی میٹھی معلوم ہوتی ہیں اور وہ اپنی دلی نیت پر خدا کو گواہ بھی مناتے ہیں لیکن ہیں وہ کٹر دشمن - اور جب وہ تمہارے پاس سے ہٹتے ہیں تو ان کی ساری بھاگ دوڑ اس لئے ہوتی ہے کہ زمین میں فساد مچائیں اور کھیتی اور نسل کو تباہ کریں اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا - اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدا کا خوف کرو تو گھمنڈ ان کو گناہ پر آمادہ کرتا ہے - سو ایسوں کے لئے جہنم کافی ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے - ۲۰۴ - ۲۰۵ - ۲۰۶

اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ کی رضاجوئی کے لئے اپنے آپ کو تج دیتے ہیں اور اللہ اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے - ۲۰۷ -

اے ایمان والو، اللہ کی اطاعت میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو - وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے - اگر تم ان کھلی ہوئی تنبیہات کے بعد بھی جو تمہارے پاس آچکی ہیں پھسل گئے تو جان رکھو کہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے - ۲۰۸ - ۲۰۹ -

اب تو یہ لوگ صرف اسی بات کے منتظر ہیں کہ اللہ نمودار ہو جائے بدلیوں کے سایہ میں اور اس کے فرشتے اور معاملے کا فیصلہ کر دیا جائے - یہ امور اللہ ہی کے حوالے ہیں - بنی اسرائیل سے پوچھو، ہم نے ان کو کتنی کھلی کھلی

نشانیاں دیں - اور جو اللہ کی نعمت کو، اس کے پانے کے بعد، بدل ڈالے تو اللہ سخت پاداش والا ہے - ان کافروں کی نگاہوں میں دنیا کی زندگی کُھبا دی گئی ہے اور یہ اہل ایمان کا مذاق اڑا رہے ہیں حالانکہ جو لوگ تقویٰ اختیار کئے ہوئے ہیں، قیامت کے دن، وہ ان پر بالا ہوں گے - اور اللہ جسے چاہے بے حساب روزی دے - ۲۱۰ - ۲۱۱ - ۲۱۲ -

لوگ ایک ہی اُمت بنائے گئے انہوں نے اختلاف پیدا کیا تو اللہ نے اپنے انبیاء بھیجے جو خوشخبری سناتے اور خبردار کرتے ہوئے آئے اور ان کے ساتھ کتاب بھیجی قول فیصل کے ساتھ تاکہ جن باتوں میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں، ان میں فیصلہ کر دے - اور اس میں اختلاف نہیں کیا مگر ان ہی لوگوں نے جن کو یہ دی گئی تھی، بعد اس کے کہ ان کے پاس کھلی کھلی ہدایات آچکی تھیں، محض باہمی ضدم ضدا کے سبب سے - پس اللہ نے اپنی توفیق بخشی سے اہل ایمان کی اُس حق کے معاملے میں رہنمائی فرمائی جس میں لوگوں نے اختلاف کیا - اللہ جس کو چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے - کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تمہیں اُن حالات سے سابقہ پیش نہیں آیا جن سے تمہارے اگلوں کو پیش آیا، ان کو آفتیں اور مصیبتیں پہنچیں اور وہ اس قدر جھنجھوڑے گئے کہ رسول اور اس کے ساتھ ایمان لانے والے پکار اُٹھتے ہیں کہ اللہ کی مدد کب نمودار ہو گی! بشارت ہو کہ اللہ کی مدد قریب ہے!

(۲۱۳-۲۱۴)

۱۷- الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ ...... وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ | یہ اشارہ ہے منافقین کی طرف۔

جن لوگوں کے کردار کمزور ہوتے ہیں، عموماً وہ گفتار کے بڑے غازی ہوتے ہیں - یہ اپنی عملی کمزوریوں پر اپنی چرب زبانی اور خوش گفتاری سے پردے ڈالنے اور مخاطب کی نیک نیتی اور کریم النفسی سے فائدہ اُٹھا کر اس کو اپنے طرزِ عمل کے بارے میں مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہیں - مدینہ کے منافقین میں بھی ایک گروہ ایسے لوگوں کا تھا، یہ لوگ کھاتے پیتے، سہل پسند، تن آسان اور چرب زبان تھے شکلیں اچھی، لباس صاف ستھرے، مجلسی آداب میں مشاق لیکن دل کے بودے اور عمل کے چور تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اسلام کی حمایت میں آسمان و زمین کے قلابے ملاتے لیکن جب وہاں سے ہٹتے تو اُن کی ساری بھاگ دوڑ اسلام کی مخالفت کی راہ میں ہوتی - انہی لوگوں کی تصویر یہ سورہ منافقون میں ان

الفاظ میں کھینچی گئی ہے

وَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ ۖ وَ إِنْ يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۖ كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ۖ يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۚ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۚ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ ۖ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٤﴾

اور جب تم ان کو دیکھتے ہو تو ان کی شکلیں تمہیں اچھی لگتی ہیں اور اگر وہ بات کرتے ہیں تو ان کی چرب زبانی کی وجہ سے تم ان کی بات سنتے ہو۔ (لیکن حقیقت میں یہ) لکڑی کے کندوں کے مانند ہیں جن کو ٹیک لگا دی گئی ہو، یہ ہر خطرے کو اپنے ہی اوپر سمجھتے ہیں، اصلی دشمن یہی ہیں، پس ان سے بچ کر رہو۔ اللہ انہیں ہلاک کرے، یہ کس طرح اوندھے ہوئے جاتے ہیں۔

یعنی ان کے پلے ہوئے جسم اور پالش کی ہوئی شکلیں بظاہر دل کو بھاتی ہیں اور ان کی چکنی چپڑی باتیں، جو یہ تمہیں خوش کرنے کے لئے کرتے ہیں، حمایت اسلام کے جوش میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہیں اس وجہ سے تمہیں دلکش معلوم ہوتی ہیں اور تم ان کی یہ باتیں سنتے ہو لیکن حقیقت میں یہ اندر سے بالکل کھوکھلے ہیں۔ ان کے سینوں میں نہ دل ہیں، نہ ایمان نہ اسلام، یہ بالکل لکڑی کے کھوکھلے کندوں کے مانند ہیں جن کو گویا لباس پہنا کر دیواروں سے ٹیک لگا کر بٹھا دیا گیا ہے، دولت ایمان سے محروم ہونے کے سبب سے یہ انتہا درجہ کے بزدل ہیں اس وجہ سے یہ ہر خطرے کو اپنے ہی اوپر آتا دیکھتے ہیں اور اپنی اس بزدلی کو اپنی چکنی چپڑی باتوں کے پردے میں چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ تمہاری توجہ ہٹانے کے لئے تو دوسروں کی طرف انگلی اٹھاتے ہیں کہ وہ اسلام کے لئے خطرہ ہیں لیکن اسلام کے لئے حقیقی خطرہ خود ان کے نفاق اور ان کی بزدلی کی طرف سے ہے اس وجہ سے ان کی طرف سے پوری طرح ہوشیار رہو۔

بعینہٖ یہی بات اس زیر بحث آیت میں فرمائی گئی ہے کہ جہاں تک ان کی باتوں کا تعلق ہے یہ دل کو بڑی موہ لینے والی ہوتی ہیں لیکن یہ ساری باتیں ملمع کی ہوئی ہیں اور اس ملمع کی یہ مصنوعی آب و تاب چند روزہ ہے۔ اس دنیا میں بے شک وہ ان جھوٹے موتیوں سے لوگوں کو جُل دینے کی کوشش کر سکتے ہیں لیکن عنقریب وہ دن آنے والا ہے جب جھوٹے اور سچے اور کھرے اور کھوٹے میں امتیاز ہو جائے گا اور ان کے چہرے کی یہ پرفریب نقاب اُتر جائے گی۔

وَيُشْهِدُ اللَّهَ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ ۙ (اور وہ اپنے دل کی نیت پر خدا کو گواہ ٹھہراتا ہے) خدا کو گواہ ٹھہرانے کے معنی خدا کی قسم کھانے کے ہیں۔ منافق کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو معتبر ثابت

کرنے کے لئے بات بات پر قسم کھاتا ہے۔ اس کے پاس چونکہ کردار کی حجت نہیں ہوتی اس وجہ سے ہر قدم پر قسم کو بطور دلیل پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جھوٹا آدمی اپنی نفسیاتی کمزوری کی وجہ سے سمجھتا ہے کہ مخاطب اس کی بات اس وقت تک باور نہیں کرے گا جب تک وہ اس کو قسم کھا کر یقین نہ دلائے۔ ایک راستباز اور صاحب کردار اپنے عمل پر اعتماد کرتا ہے اور جب اس پر کوئی گرفت ہوتی ہے تو وہ اپنے عمل ہی کی دلیل سے اس کی مدافعت کرتا ہے لیکن ایک منافق کے پاس چونکہ عمل کا سہارا نہیں ہوتا اس وجہ سے جب اس پر کوئی گرفت ہوتی ہے تو وہ قسم کو اپنی ڈھال بناتا ہے اور اسی کے سہارے لوگوں کی گرفت سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ سورہ منافقون میں منافقین کے اس کردار کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ① اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ②	جب تمہارے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں، کہ ہم گواہی دیتے کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں اللہ خوب جانتا ہے کہ بے شک آپ اس کے رسول ہیں، لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک یہ منافق بالکل جھوٹے ہیں، انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے اور اس طرح وہ اللہ کے راستہ سے رُک گئے ہیں۔ بہت ہی بری ہے وہ حرکت جو یہ کر رہے ہیں۔
۱ ـ ۲ منافقون	

وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ، خصام خصم کی جمع ہے اور الد کے معنی شدید الخصومۃ کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بظاہر تو ان کی باتیں تمہارے سامنے بڑی چکنی چپڑی ہوتی ہیں لیکن ان کے دلوں کے اندر تمہارے اور اسلام کے خلاف نہایت شدید قسم کا بغض و حسد بھرا ہوا ہے۔ اسی حقیقت کی طرف سورہ منافقون میں هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ (اصلی دشمن وہی ہیں، ان سے بچ کے رہو) کے الفاظ سے اشارہ فرمایا ہے۔

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ ...... وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ یعنی تمہارے سامنے تو ان کی باتیں بڑی دل بھانے والی ہوتی ہیں لیکن تمہارے پاس سے ہٹنے کے بعد ان کی ساری بھاگ دوڑ فساد فی الارض کی راہ میں ہوتی ہے۔ فساد فی الارض سے مراد، جیسا کہ ہم آیت ۱۱ کے تحت واضح کر چکے ہیں، اللہ کی بندگی اور اطاعت کی اس دعوت کی مزاحمت و مخالفت ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم دے رہے تھے۔ زمین کے تمام امن و عدل کا انحصار اس بات پر ہے کہ اللہ کے بندے اللہ ہی کی بندگی اور اسی کی اطاعت

میں داخل ہو جائیں، جیسا کہ آگے ارشاد ہو رہا ہے۔ اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ (اللہ کی اطاعت میں سب کے سب داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو) اس بندگی و اطاعت میں داخل ہو جانے کے بعد شیطان کے لئے دراندازیوں اور فساد کی تمام راہیں بند ہو جاتی ہیں بصورت دیگر تمام نسل انسانی شیطان کی فساد انگیزیوں کی آماجگاہ بنی رہتی ہے اور وہ برابر بغض و عداوت کی آگ بھڑکاتا رہتا ہے جو حرث و نسل دونوں کی تباہی کا موجب ہوتی ہے۔ اہل عرب نے اسلام سے پہلے دور جاہلیت میں اس صورت حال کا اچھی طرح تجربہ کر لیا تھا اس وجہ سے ان کے لئے یہ اندازہ کرنا کچھ مشکل نہ تھا کہ تباہی کے اس جہنم سے خلق خدا کو نکالنے کے لئے سلم و اطاعت کی وہ دعوت کتنی بڑی رحمت و برکت تھی جو قرآن نے پیش کی تھی اور پھر انسانیت کے کتنے بڑے دشمن تھے وہ لوگ جو اس دعوت کی مخالفت کر رہے تھے اور چاہتے تھے کہ دُنیا اسی جہنم میں پڑی جلتی رہے۔

"وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ" یعنی بظاہر وہ کتنی ہی چکنی چپڑی باتیں کیوں نہ کریں اور اسلام اور پیغمبر کی محبت کا دم کیوں نہ بھریں لیکن وہ اللہ کی نظروں میں کوئی مقام کس طرح حاصل کر سکتے ہیں جب وہ اپنے طرز عمل سے اس افساد کو ہوا دے رہے ہیں جس کے نتیجہ میں تمام انسانیت کی تباہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب یہ دُنیا بنائی ہے تو وہ اس کی فلاح و بہبود کو پسند کرتا ہے، اس میں فساد اور مفسدین کو وہ پسند نہیں کرتا۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ ...... وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ | اسلام دوستی اور دینداری کے ایسے جھوٹے دعوے داروں کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جب ان کی کسی خلاف اسلام حرکت پر گرفت کی جائے اور ان کو توبہ اور اصلاح کی طرف توجہ دلائی جائے تو ان کے پندار کو بڑی چوٹ لگتی ہے، وہ اپنی کمزوری و بے اعتمادی اور احساس کہتری کی وجہ سے سمجھتے ہیں کہ اگر ایک مرتبہ انہوں نے اپنی کمزوری تسلیم کر لی تو ان کا سارا بھرم ختم ہو جائے گا، اس وجہ سے وہ اپنی اکڑ میں کوئی خم نہیں پیدا ہونے دیتے۔ منافقین کے اس خاص پہلو کی طرف سورۂ منافقون میں ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ○ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ	اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ توبہ کرو، اللہ کا رسول بھی تمہارے لئے خدا سے مغفرت مانگے گا تو وہ اپنی گردن موڑ لیتے ہیں اور تم ان کو دیکھو گے کہ وہ استکبار کے ساتھ اعراض کرتے ہیں۔ ان کے لئے

لَهُمْ ۭ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ○ (۶-۵)

یکساں ہے، تم ان کے لئے مغفرت مانگو یا نہ مانگو، اللہ ان کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔ اللہ بدعہدوں کو راہ یاب نہیں کرتا۔

اسی حقیقت کی طرف سورہ نساء کی یہ آیتیں بھی اشارہ کر رہی ہیں۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿۶۱﴾ فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَاۗءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ڰ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿۶۲﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًۢا بَلِيْغًا ﴿۶۳﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَاۗءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾ (۶۱-۶۴ - نساء)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اپنے معاملات کے فیصلہ کے لئے اللہ کی اتاری ہوئی چیز اور رسول کی طرف آؤ تو تم منافقین کو دیکھتے ہو کہ وہ تم سے بڑی بے پروائی سے گریز کرتے ہیں۔ لیکن اس وقت کیا ہوگا، جب ان کے اعمال کی پاداش میں ان کو کوئی مصیبت پہنچے گی، پھر یہ تمہارے پاس قسمیں کھاتے ہوئے آئیں گے کہ، خدا کی قسم! ہم نے تو یہ محض خیر خواہی اور سازگاری پیدا کرنے کے جذبے کے تحت کیا؟ اللہ ان کے دلوں کی بات کو خوب جانتا ہے تو ان سے اعراض کرو اور ان کو نصیحت کرو اور ان کو خود ان کے مفاد میں دلنشین بات کہو۔ اور ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔ اور اگر وہ اس وقت جب کہ انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا، تمہارے پاس آتے، پھر اللہ سے مغفرت مانگتے اور رسول بھی ان کے لئے مغفرت مانگتا تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پاتے۔

"فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ" (پس اس کے لئے جہنم ہی کافی ہے) یہ ٹکڑا بالعموم اس موقع پر آیا ہے جہاں یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے کہ جن کو دنیا میں ان سنگین شرارتوں کے باوجود ڈھیل دی جاتی ہے تو یہ ڈھیل ان کے لئے کوئی رعایت نہیں ہے بلکہ یہ صرف اس لئے دی جاتی ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے آگے جو

جہنم تیار ہے وہ ساری کسر پوری کر دینے والی ہے، اس کے ہوتے ان کے لئے اس دُنیا میں کسی عذاب کی ضرورت نہیں ہے۔ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ۔ وہ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ ...... وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ | شری یشری کے معنی بیچنے کے ہیں۔ یہ اشارہ ہے مخلص اہلِ ایمان کی طرف جنہوں نے اللہ کی رضا جوئی اور خوشنودی کے لئے اپنا سب کچھ تج دیا ہے۔ ان کا ذکر یہاں دو پہلوؤں سے ہے۔ ایک یہ کہ ان منافقین کو غیرت آئے جن کا ذکر اُوپر کی آیات میں ہوا ہے کہ سب تمہارے ہی جیسے مفاد پرست اور ابن الوقت نہیں ہیں بلکہ تمہارے ہی آنکھوں کے سامنے اللہ کے وہ بندے بھی ہیں جو اپنا تن، من، دھن سب کچھ خدا کی راہ میں قربان کرنے کا عہد کر چکے ہیں اور اپنی زندگی کا مقصد اس کی رضا کے سوا کچھ نہیں سمجھتے۔ دوسرا یہ کہ اس ذکر سے ان اہل ایمان کی حوصلہ افزائی ہو، جو ان منافقین کے برعکس اللہ ہی کے لئے جینے اور اللہ ہی کے لئے مرنے والے تھے، منافقین کے ذکر کے پہلو بہ پہلو اللہ تعالےٰ نے ان کی طرف اشارہ کر کے یہ ظاہر فرمادیا کہ اس کے جانباز و وفادار بندے بھی موجود ہیں اور وہی اس کی رأفت و رحمت کے سزاوار ہیں۔

"وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ" میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہر چند اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیع و شرا کا عہد بڑا کٹھن ہے اور اللہ کی رضا جوئی کے لئے اپنی ساری زندگی کو تج دینا ایک عظیم جہاد ہے جس کے تقاضے بڑے صبر آزما ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے، وہ ان پر انکی استطاعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا، اور اگر اس عہد کے تقاضوں میں ان سے کوئی بھول چوک ہو جاتی ہے تو اس کو معاف کرتا ہے، لغزشوں اور کوتاہیوں کے لئے اس نے توبہ و اصلاح کی راہیں کھلی رکھی ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ...... عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ | سِلْم، کے معنی اطاعت کے ہیں اور مراد اس سے اللہ و رسول کی اطاعت ہے۔ بعض لوگوں نے اس کے معنی اسلام کے لئے ہیں لیکن یہ فرق محض ظاہر کا فرق ہے، اس لئے کہ اسلام کی اصل حقیقت اللہ و رسول کی اطاعت ہی ہے۔ یہ لفظ حرب کا ضد بھی آتا ہے اس صورت میں اس کے معنی صلح و امن کے ہوتے ہیں، اس مفہوم میں بھی اسلام کی روح موجود ہے، اس لئے کہ صلح و امن کی اصل راہ اللہ و رسول کی اطاعت ہی ہے۔

"کَآفَّةً" کے معنی جماعت کے ہیں اور یہ یہاں حال پڑا ہوا ہے۔ قرآن میں دوسرے مقامات میں بھی یہ اسی شکل میں استعمال ہوا ہے۔

خطاب اگرچہ الفاظ کے لحاظ سے عام یعنی تمام مسلمانوں سے ہے لیکن قرینہ دلیل ہے کہ روئے سخن ان منافقین کی طرف ہے جن کا ذکر اُوپر کی آیات میں ہوا ہے۔ ان سے خطاب کرکے یہ کہا جارہا ہے کہ سچے اور پکے اہل ایمان کی طرح تم بھی اللہ و رسول کی اطاعت میں پورے پورے داخل ہوجاؤ۔ اس ہدایت کی وجہ یہ ہے کہ ان منافقین کی وفاداری تقسیم تھی۔ یہ ایک طرف تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کے مدعی تھے اور اسلام کی حمایت کا دم بھرتے تھے اور دوسری طرف اسلام کے مخالفین کے ساتھ بھی ان کا ساز باز تھا۔ قرآن نے جگہ جگہ ان کی اس روش کی طرف اشارے کئے ہیں۔ مثلاً سورہ محمد میں انہی لوگوں کی طرف اشارہ ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ۝ (۲۶ - محمد)

یہ اس وجہ سے ہے کہ ان منافقین نے ان لوگوں سے جنہوں نے اللہ کی اُتاری ہوئی چیز کا بُرا منایا، یہ کہا کہ ہم بعض معاملات میں آپ ہی لوگوں کی اطاعت کریں گے۔ اللہ ان کی اس رازداری کو خوب جانتا ہے

ظاہر ہے کہ یہاں "لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا" سے اشارہ یہود اور مشرکین کے لیڈروں ہی کی طرف ہوسکتا ہے۔

سورۂ نساء کی مندرجہ ذیل آیات بھی ان کی اسی روش کی طرف اشارہ کررہی ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۝ (۶۰ - ۶۱ نساء)

ذرا ان لوگوں کو دیکھو جو مدعی ہیں کہ وہ اس چیز پر بھی ایمان لائے ہیں جو تم پر اُتری ہے اور اس چیز پر بھی جو تم سے پہلے اتری ہے، یہ چاہتے ہیں کہ اپنے معاملات فیصلہ کے لئے طاغوت کے پاس لے جائیں، حالانکہ ان کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اس کا انکار کریں۔ شیطان چاہتا ہے کہ ان کو بڑی ہی دور کی گمراہی میں پھینک دے۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کی طرف آؤ جو اللہ نے اُتاری ہے اور رسول کی طرف تو تم ان منافقین کو دیکھتے ہو کہ وہ طرح طرح سے گریز کی راہیں اختیار کرتے ہیں۔

یہ بات اپنی جگہ پر ثابت ہے کہ یہاں طاغوت سے مراد یہود کی عدالتیں ہیں۔ چونکہ ان عدالتوں سے رشوت

وغیرہ دے کر خلاف عدل و انصاف فیصلے کرانا بڑی آسانی سے ممکن تھا، نیز علمائے یہود نے اپنی کتر بیونت سے شریعت کے بہت سے احکام اپنی خواہشات کے مطابق کر دیئے تھے اس وجہ سے منافقین اپنے بہت سے معاملات انہی کی عدالتوں میں لے جانا چاہتے تھے اور جب ان سے کہا جاتا کہ ایمان واسلام کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ اپنے معاملات قرآن اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کریں تو وہ مختلف حیلوں حوالوں سے گریز اختیار کرنے کی کوشش کرتے۔

وفاداری کی یہ تقسیم ایمان واسلام کے منافی بلکہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے شرک ہے۔یہیں سے شیطان کو انسان کو گمراہ کرنے کی جیسا کہ سورۂ نساء کی مذکورہ بالا آیت میں اشارہ ہے، نہایت کشادہ راہ مل جاتی ہے اس وجہ سے قرآن نے اس فتنہ کے دروازے کو بند کرنے کی ہدایت کی اور حکم دیا کہ سب کے سب بغیر کسی استثناء اور بغیر کسی تحفظ کے اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت میں داخل ہو جائیں ۔ اطاعت کامل کا یہی راستہ امن وعدل کا راستہ ہے اور اسی راستہ پر چلنے والوں کے لئے فوز فلاح ہے ۔ جو لوگ اس سے ہٹ کر کوئی راہ نکالنی چاہتے ہیں اور بیک وقت کفر اور اسلام دونوں سے رسم و راہ رکھنے کے خواہشمند ہیں، وہ شیطان کے نقش قدم کی پیروی کر رہے ہیں اور شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے اس لئے کہ اس نے روز اول ہی سے اس کی راہ مارنے اور اس کو گمراہ کرنے کا کھلم کھلا الٹیمیٹم دے رکھا ہے۔

فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ ...... عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ "بینات" سے مراد وہ تنبیہات وتہدیدات بھی ہیں جو شیطان کی چالوں اور اس کے فتنوں سے آگاہ کرنے کے لئے نہایت تفصیل کے ساتھ قرآن میں بیان ہوئی ہیں اور وہ واضح اور قطعی ہدایات بھی جو ایمان واسلام کے تقاضوں کو بیان کرنے کے لئے وارد ہوئی ہیں ۔مطلب یہ ہے کہ اگر ان سورج کی طرح روشن ہدایات و تنبیہات کے بعد بھی تم نے (خطاب منافقین ہی سے ہے) اپنے ازلی اور کھلے ہوئے دشمن ہی کے نقش قدم کی پیروی کی تو اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو کہ خدا کی پکڑ سے تم کسی طرح نہیں بچ سکتے ۔خدا عزیز وحکیم ہے۔

عزیز کی صفت کے حوالہ سے دو حقیقتوں کی طرف اشارہ مقصود ہے ۔ ایک تو اس حقیقت کی طرف کہ خدا کوئی کمزور و ناتواں ہستی نہیں ہے بلکہ وہ غالب و توانا ہے تو جو اس کی تنبیہات کے باوجود شیطان کی پیروی کریں گے ان کو وہ اس عذاب میں ضرور پکڑے گا جو شیطان کے پیروؤں کے لئے اس نے مقدر کر رکھا ہے اور جس کی اس نے پہلے سے خبر دے رکھی ہے ۔ دوسرا اس طرف کہ جو لوگ ان واضح ہدایات کے بعد بھی راہ حق کو

چھوڑ کر شیطان ہی کی پیروی اختیار کریں گے وہ خدا کا کچھ نہیں بگاڑیں گے بلکہ اپنا ہی بگاڑیں گے اس لئے کہ خدا عزیز ہے یعنی نفع ونقصان سے بالاتر۔

اسی طرح حکیم کی صفت بھی یہاں دو حقیقتوں کو نمایاں کر رہی ہے۔ ایک تو یہ کہ اس دنیا کا خالق حکیم ہے اور اس کے حکیم ہونے کا یہ بدیہی تقاضا ہے کہ وہ اپنی ہدایت پر جمے رہنے والوں اور اس سے منحرف ہو جانے والوں کے درمیان ان کے انجام کے لحاظ سے امتیاز کرے اگر وہ ان میں کوئی امتیاز نہ کرے بلکہ دونوں کو ان کے حال پر چھوڑ دے یا دونوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ ایک حکیم نہیں بلکہ ایک کھلنڈرا ہے اور یہ دنیا ایک پرحکمت اور بامقصد کارخانہ نہیں بلکہ کسی کھلنڈرے کا کھیل، تماشہ ہے۔ دوسری یہ کہ بدی اور نیکی کے نتائج کے ظہور میں جو دیر سویر ہوتی ہے وہ سب حکمت پر مبنی ہوتی ہے، بسا اوقات شیطان کے پیروکاروں کو اللہ تعالیٰ مہلت دیتا ہے اور بسا اوقات اہل حق کسی آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں، اس سے نہ تو اہل باطل کو مغرور ہونا چاہیئے، نہ اہل حق کو مایوس۔ بلکہ یہ یقین رکھنا چاہیئے کہ وہ مہلت اور یہ آزمائش دونوں خدائے حکیم ودانا کی حکمت پر مبنی ہے اور اس حکمت کے تحت اس کے قوانین اور ان کے نتائج بالکل قطعی اور اٹل ہیں، ان میں سرمو فرق ممکن نہیں۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ إِلَّآ أَنْ يَّأْتِيَهُمُ اللّٰهُ .... وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُوْرُ "نظر ینظر" کے معنی جس طرح دیکھنے کے آتے ہیں اسی طرح اس کے معنی انتظار کرنے کے بھی آتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان بینات اور ان تنبیہات وتہدیدات کے بعد بھی جو لوگ جادہ مستقیم پر ہموار نہ ہو سکے بلکہ شیطان کے پیچھے بھٹکتے ہی رہ گئے اب سنت اللہ کے تحت تو ان پر اتمام حجت کے لئے کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی ہے۔ اب بھی اگر وہ کسی چیز کے منتظر ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اب وہ اس بات کے خواہشمند ہیں کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اس طرح ان کو اپنا جلال دکھائے کہ اس کے ساتھ بدلیوں میں اس کا عذاب چھپا ہوا ہو اور اس کے جلو میں اس کے فرشتوں کی افواج قاہرہ ہوں اور حق وباطل کی اس کشمکش کا آخری فیصلہ کر دیا جائے۔ لیکن یہ فیصلہ نبی کے کرنے کا نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ ہی سے ہے، وہی جانتا ہے کہ کس قوم کا فیصلہ کب ہونا چاہیئے اور کس طرح ہونا چاہیئے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان وہدایت وہ معتبر ہے جو نتیجہ ہو آیات الٰہی کے سننے اور سمجھنے کا نہ کہ وہ جو منتظر ہو جلال الٰہی اور قہر خداوندی کے ظہور اور مشاہدہ کا۔ جو گروہ اس چیز کا منتظر ہوتا ہے وہ صرف اپنی شامت

کے ظہور کا منتظر ہوتا ہے اس لئے کہ وہ حقائق کو آنکھوں سے دیکھ کر ماننا چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو مطلوب یہ ہے کہ انسان اپنی عقل سے کام لے اور اس کے بھیجے ہوئے نبیوں اور رسولوں کی رہنمائی کو قبول کرے۔

سَلْ بَنِیٓ اِسْرَآءِیْلَ کَمْ اٰتَیْنٰھُمْ مِّنْ اٰیَۃٍۭ بَیِّنَۃٍ .... فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝

"آیات بینات" سے مراد ہیں وہ کھلے کھلے معجزات جو بنی اسرائیل کو دیے گئے۔ ان کا حوالہ دینے سے مقصود یہ ہے کہ ایمان و ہدایت کا راستہ ان لوگوں پر کھلتا ہے جو عقل اور سمجھ سے کام لیتے ہیں جو عقل اور سمجھ سے کام نہیں لیتے وہ دنیا جہان کے معجزے دیکھ کر بھی بدستور اپنے تذبذب اور اپنی بے اعتقادی ہی میں پڑے رہتے ہیں۔ آخر دیکھو، بنی اسرائیل نے کتنے معجزے اپنی آنکھوں سے دیکھے، ان معجزات سے قطع نظر جو حضرت موسیٰ کے ہاتھوں سرزمین مصر پر ظاہر ہوئے، خود بنی اسرائیل کے لئے سمندر خشک ہوا، کوہ طور شق ہوا، ایک خشک پہاڑی سے اکٹھے بارہ چشمے پھوٹ نکلے، ایک صحرائے بے آب و گیاہ میں ان کے لئے من و سلویٰ کا خوان نعمت بچھا دیا گیا، غرض قدم قدم پر ان کے لئے معجزے ظاہر ہوئے لیکن جو بے اعتقادی ان پر روز اوّل سے مسلط تھی وہ بدستور مسلط رہی، پھر انہی کے نقش پر چلنے والوں سے یہ توقع کس طرح کرتے ہو کہ اگر ان کے سامنے ان کی طلب کے مطابق کوئی معجزہ ظاہر ہو جائے گا تو ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ یہ غلط ہے۔ ان کی آنکھیں بڑے سے بڑے معجزے دیکھنے کے بعد بھی بند ہی رہیں گی۔

بنی اسرائیل کی تاریخ کا حوالہ دینے میں خاص پہلو یہ ہے کہ جن منافقین کے حال پر یہاں تبصرہ ہو رہا ہے۔ وہ زیادہ تر بنی اسرائیل ہی کے گروہ سے تعلق رکھنے والے تھے، اس وجہ سے اُن کے سامنے انہی کی پچھلی تاریخ کا آئینہ رکھ دینے میں ایک نہایت ہی بلیغ تعریض ہے۔

" وَمَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَۃَ اللّٰہِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْہُ فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ" نعمۃ اللہ سے مراد یہاں اللہ کی ہدایت اور شریعت ہے۔ اور اس کے بدلنے سے مُراد یہ ہے کہ اس کی قدر کر کے اس کو ایمان و ہدایت کا ذریعہ بنانے کے بجائے اس کی ناقدری کر کے اس کو کفر کا ذریعہ بناتے ہیں۔ بعض مقامات میں تبدیلی کی اس نوعیت کی وضاحت بھی ہو گئی ہے۔ مثلاً فرمایا ہے۔ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ کُفْرًا ۲۸ ابراہیم (ذرا دیکھو تو ان لوگوں کو جنھوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل دیا) مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی اس عظیم نعمت کو پا کر اس سے فائدہ اُٹھانے کے بجائے کسی ایسے نشان کے ظہور کے منتظر ہیں جو حق کے آگے ان کی گردنیں زبردستی خم کر دے تو وہ درحقیقت ہدایت کو ضلالت سے اور نعمت کو نقمت سے بدل رہے ہیں اور

ایسے لوگ سنت الٰہی کے مطابق اللہ تعالیٰ کی سخت پاداش سے دوچار ہوتے ہیں۔

زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا .... وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○

یہ اس فریب نظر کی طرف اشارہ ہے جس میں مبتلا ہونے کے سبب سے اہل باطل اپنی باطل پرستیوں ہی میں مگن زندگی گزارتے چلے جاتے ہیں اور ان کو نبی اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے جب ان کی اس غفلت کے انجام بد کی خبر دی جاتی ہے تو ان کا مذاق اڑانے اور ان کو زچ کرنے کے لئے عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں، جیسا کہ اُوپر والی آیت میں اشارہ ہو چکا ہے۔

فریب نظر یہ ہے کہ اس دنیا کی زندگی میں حق اور باطل اور کفر و ایمان دونوں کو مہلت ملی ہوئی ہے۔ کوئی شخص اگر نیکی اور اطاعت کی راہ اختیار کرتا ہے تو یہ نہیں ہوتا کہ وہ ابتلاء کے قانون سے بالاتر ہو جائے بلکہ بعض حالات میں اس کا ابتلا اس کے ایمان کے اعتبار سے سخت سے سخت تر ہوتا جاتا ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص کفر و نافرمانی کی زندگی گزارنا چاہتا ہے تو اس کے لئے بھی سنت الٰہی یہ نہیں ہے کہ فوراً خدا کے فرشتے اتر کر اس کی گردن ناپ دیں بلکہ اکثر حالات میں اس کو ایسی ڈھیل پر ڈھیل ملتی جاتی ہے کہ اس کی جسارت دن بہ دن بڑھتی ہی جاتی ہے اسی فریب نظر کو یہاں "زُیِّنَ" کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ یعنی اس دنیاوی زندگی کا یہ فریب اس طرح ان کی نگاہوں میں کھبا دیا گیا ہے کہ وہ اس کے اس پہلو سے نگاہ ہٹا کر کسی اور پہلو سے اس کو دیکھنے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتے۔ ظاہر ہے کہ ان کی نگاہوں میں اس زندگی کی اس خاص پہلو سے تزئین شیطان نے کی ہے، جیسا کہ قرآن مجید کے دوسرے مقامات میں اس کی تصریح ہے۔ اور یہ امر بھی ظاہر ہے کہ شیطان کو اس تزئین کا موقع انسان کی عاجلہ پرستی اور اتباع شہوات نے فراہم کیا ہے۔

جو لوگ اس فریب نظر میں مبتلا ہوتے ہیں ان کو جب اہل ایمان ان کے اعمال و عقائد پر دُنیا یا آخرت میں کسی پکڑ یا سزا وغیرہ کی یاددہانی کرتے ہیں تو وہ ان پر ہنستے ہیں اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں کہ بتاؤ، تمہارا حال اچھا ہے یا ہمارا، اگر ہمارا حال اچھا ہے اور ظاہر ہے کہ تم سے بدرجہا اچھا ہے تو ہم کیوں نہ سمجھیں کہ ہمارا ہی رویہ بھی صحیح ہے۔ پھر جب وہ دیکھتے ہیں کہ ان کی تمام بدمستیوں کے باوجود اس قسم کی کوئی گرفت ان پر نہیں ہو رہی ہے جس کے ڈراوے اہل ایمان ان کو سناتے ہیں تو اپنی روش پر ان کا اطمینان اور بھی بڑھ جاتا ہے اور وہ ان کا مذاق اڑانے میں اور بھی زیادہ دلیر ہو جاتے ہیں۔

" وَالَّذِیْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ " یعنی اس دنیا میں تو بلاشبہ صورت حال ایسی ہی ہے کہ ظاہر پرست اہل ایمان اور اہل تقویٰ کا مذاق اڑا سکتے ہیں اس لئے کہ اس دنیا کا کارخانہ جزا اور سزا کے قانون پر نہیں چل رہا ہے۔ بلکہ ابتلا کی سنت کے تحت چل رہا ہے لیکن اس زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی آنے والی ہے جو جزائے اعمال کا مظہر ہوگی' اس دن وہ اہل ایمان جو دنیا کے اس فریب نظر میں مبتلا نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے تقویٰ کی زندگی گزاری ہے وہ بالا ہوں گے۔

یہاں صرف یہ فرمایا کہ وہ بالا ہوں گے' یہ نہیں بتایا کہ ان کے مذاق اڑانے والے کہاں ہوں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ چیز بالکل متعین تھی، اس کی خبر ان کو پیغمبر اور اہل ایمان کے انذار کے ذریعہ سے دیدی گئی تھی اس وجہ سے اس کے اظہار کی ضرورت نہیں تھی۔ البتہ اہل ایمان کی فوقیت کی وضاحت کے لئے یہ فرمادیا کہ " اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے"۔ رزق تعبیر ہے اللہ تعالیٰ کے فضل کی اور اس فضل کے بابت ارشاد ہوا کہ بے حساب ہوگا، یعنی توقعات اور اندازوں، قیاسوں اور گمانوں کے تمام پیمانے ان کے ناپنے سے قاصر رہ جائیں گے۔ اس حقیقت کی تمثیل بعض احادیث میں نہایت مؤثر انداز میں پیش کی گئی ہے۔ اس کی تفصیل دوسرے مقام میں آئے گی۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً .... وَاللّٰهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ اوپر اہل ایمان کے ساتھ کفار و منافقین کے مذاق و استہزا کا ذکر ہوا ہے، اب اس آیت میں اہل ایمان کی حوصلہ افزائی کی جارہی ہے کہ اطمینان رکھو، موقف حق پر تم ہی ہو، اختلافات و نزاعات کے درمیان فیصلہ کرنے والی حقیقت تمہارے ہی پاس ہے اور کفر و ضلالت کے اس گھٹاٹوپ اندھیرے کے اندر صرف تمہی ہو جن کو صراط مستقیم کی ہدایت نصیب ہوئی ہے۔ یہ کفار و منافقین جو تمہاری مخالفت کر رہے ہیں اور تمہارا مذاق اڑا رہے ہیں یہ سب اس باہمی ضد اور عناد کا کرشمہ ہے جس میں یہ ہمیشہ سے مبتلا ہیں اور اس میں مبتلا ہونے کی وجہ سے یہ خدا کی ہدایت کے ایسے دشمن ہوگئے ہیں کہ نہ اس کو خود پانا چاہتے اور نہ کسی دوسرے کو پانے دینا چاہتے، تو تم ان کی ان مخالفانہ سرگرمیوں کے باوجود اپنے موقف پر جمے رہو، آزمائش کا یہ دور جو اللہ تعالیٰ کی سنت کے تحت ہے، گزر جانے کے بعد کامیابی اور فتحمندی تمہارے ہی لئے ہے۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً میں " کان" ہمارے نزدیک تامہ ہے دوام کے مفہوم میں جیسا کہ كَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَكِيمًا میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جہاں تک اللہ تعالیٰ کا تعلق ہے اس نے لوگوں کو ایک ہی دین دیا اور

ایک ہی اُمت بنایا، جیسا کہ فرمایا ہے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام ہمیشہ سے اللہ کا دین اسلام ہی ہے، فِطْرَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا، یہی دین فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا اور یہی دین ہے جو اس نے اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ سے لوگوں کی رہنمائی کے لئے بھیجا، نہ اس نے اسلام کے سوا کسی اور دین کو پسند فرمایا نہ اُمت مسلمہ کے سوا کوئی اُمت بنانی چاہی۔ اس کے ہاں دین صرف اسلام اور اُمت صرف اُمت مسلمہ ہے۔

کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً کے بعد فَاخْتَلَفُوْا کا لفظ محذوف ہے۔ اس محذوف کو آگے چل کر کھول دیا ہے چنانچہ فرمایا ہے لِیَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْہِ۔ یہ حذف عربی اسلوب کے مطابق تکرار سے بچنے کے لئے فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے تو ایک ہی دین دیا اور ایک ہی اُمت بنائی لیکن لوگوں نے اس دین میں اختلاف کیا اور اس کے نتیجے میں تحزب اور گروہ بندی میں مبتلا ہوئے تو اللہ نے اپنے انبیاء بھیجے کہ وہ لوگوں کو دین میں اختلاف کے نتائج بد سے آگاہ کریں اور حق پر قائم رہنے والوں کو کامیابی اور نجات کی خوشخبری سُنا دیں، اللہ نے ان نبیوں کو کتابیں عطا فرمائیں، یہ کتابیں حق یعنی قول فیصل کے ساتھ اُتریں تاکہ ان تمام نزاعات کا جو دین حق میں پیدا کر دی گئی تھیں، فیصلہ کر کے از سر نو حق کو اجاگر کر دیا جائے۔ لیکن جن اُمتوں کو یہ حق عطا ہوا انہوں نے نہایت واضح دلائل کی روشنی میں اس حق کو سمجھ لینے کے بعد محض آپس کی ضدم ضدا کے سبب سے خود ہی اس حق میں اختلاف کیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے بار بار حق کی وضاحت کے باوجود اختلاف قائم ہی رہا اور انہی لوگوں کے ہاتھوں قائم رہا جو اس حق کے امین بنائے گئے تھے۔

اب اللہ تعالیٰ نے اپنی توفیق سے اس نزاع و اختلاف میں حق کی راہ پھر اس قرآن کے ذریعہ سے اہل ایمان یعنی پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کو کھولی ہے اور اللہ ہی ہے جو اپنی مشیت اور حکمت کے تقاضوں کے مطابق جس کو چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔

اس آخری ٹکڑے کے اندر اس عظیم ذمہ داری کی طرف اشارہ بھی ہے جو اس اُمت پر دین حق کی امانت سے متعلق عاید ہوتی ہے کہ اس حق کو پا کر تم بھی اس میں اسی طرح کے اختلافات برپا کرنے والے نہ بن جانا جس طرح دوسرے تم سے پہلے بن گئے اور اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ بازی کوئی آسان بازی نہیں ہے بلکہ یہ بڑی جان جوکھوں کا کام ہے، دینداری اور حق پرستی کے پشتینی ٹھیکہ دار، جن کے کاروبار کی ساری کامیابی کا دار مدار حق کے گم ہی رہنے میں ہے، تمہیں آسانی سے نہیں چھوڑیں گے بلکہ

تمہارے پیچھے جھاڑ کے کانٹے بن کر پڑ جائیں گے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ .... اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ | یہ اس سنت اللہ کی طرف اشارہ ہے جس کی کسوٹی پر ہر وہ جماعت پرکھی جاتی ہے جو اصل حق کی حامل بن کر اٹھتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ منافقین اور کفار کی اس مخالفت اور اس استہزا سے گھبرا نہ جاؤ، ابھی تو اس راہ عشق کی یہ ابتدا ہے، آگے اس سے کہیں کٹھن مقامات آتے ہیں، تمہیں بھی ان سارے مراحل سے گزرنا ہے جن سے تم سے پہلے اٹھنے والے حاملین حق کو گزرنا پڑا ہے، تم سے پہلے جنھوں نے اس راہ میں قدم رکھے ان کو ایسے مصائب و شدائد پیش آئے اور وہ آزمائشوں کے ہاتھوں اس طرح جھنجھوڑ دیئے گئے کہ رسول اور اس کے ساتھی سب متیٰ نصر اللہ پکار اٹھے "حَتّٰى يَقُوْلَ" ہمارے نزدیک حال کے معنی میں ہے اور مقصود اس سے تصویر حال ہے۔ اور مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ کا اسلوب اس فریاد کو ظاہر کرتا ہے جس کی نوعیت امید کے دروازے پر آخری دستک کی ہوتی ہے۔ فرمایا کہ نصرت الٰہی کا دروازہ اسی دستک کی کلید سے کھلتا ہے۔ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ۔ ۵

رہرو تشنہ لب نہ گھبرانا
اب لیا چشمۂ بقا تو نے

اعلان

ہمیں نہایت ندامت اور شدید احساس ہے کہ قارئین "میثاق" کو کئی مہینوں سے کوشش کے باوجود رسالہ وقت پر بھیجنا ممکن نہیں ہو سکا ہے۔ یہ مسلسل تاخیر بعض وجوہ کے تحت محض مجبورانہ رہی ہے۔ اس تاخیر اور قارئین کرام کی زحمت انتظار کو ختم کرنے کیلئے ہم برابر کوشش کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ذریعہ توقع رکھتے ہیں کہ دو تین ماہ کے اندر ان شاء اللہ پرچہ ہر ماہ، مہینہ کی ابتدائی تاریخوں میں قارئین کرام کے ہاتھوں میں پہنچانے کی کوشش میں کامیاب ہو جائیں گے۔

منیجر ماہنامہ میثاق لاہور

افادات فراہیؒ
جناب خالد مسعود صاحب

حکمت صوم وجہاد

۱۔ حکمتِ صوم

روزے کا اثر جسمانی بھی ہوتا ہے اور روحانی بھی۔ اس کے جسمانی اثر سے اہلِ عرب چونکہ خوب واقف تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے روحانی پہلو ــــ یعنی تقویٰ، پاکیزگیٔ نفس کے اہتمام اور فقراء کے ساتھ ہمدردی ــــ کو ان کے لئے نمایاں کیا، اور اس مقصد کی خاطر "تقویٰ" کا لفظ استعمال کیا۔ کیونکہ یہ لفظ روزے کی اصل حقیقت اور اس کے بارے میں اہلِ عرب کی سابقہ معلومات سے قریب تر تھا۔ اہلِ عرب اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کو بھوک اور پیاس کا عادی بنانے کے لئے ان کی باقاعدہ تربیت کیا کرتے تھے تاکہ مشکل پیش آنے پر وہ زیادہ سے زیادہ سختی برداشت کر سکیں۔ اسی طرح وہ اپنے گھوڑوں کو تند ہوا کے مقابلے کی بھی تربیت دیتے تھے کیونکہ یہ چیز سفر اور جنگ کے حالات میں، جب کہ ہوا کے تھپیڑوں سے سابقہ پیش آجائے، بڑی کام آنے والی ہے۔

[دیکھا نہیں اللہ تعالیٰ نے کیونکر تند ہوا سے اپنے نبی کی نصرت کی تھی؟[1] اور ایسا ہی مشاہدہ خود ہمارے عہد میں بھی کفار کے ایک بڑے گروہ کے معاملے میں کیا جا چکا ہے]

جریرؓ نے اپنے ایک شعر میں ان دونوں باتوں کا حوالہ دیا ہے۔ وہ کہتا ہے ؎

ظللنا بمستن الحرور کاننا لدی فرس مستقبل الریح صائم

(ہم لو کے تھپیڑوں کی جگہ جمے رہے گویا ہم ایسے گھوڑے کے ساتھ کھڑے ہوں جو بادِ تند کا مقابلہ

[1] شائد جنگ احزاب کی طرف اشارہ ہے۔ (مترجم)

کر رہا ہو اور روزہ رکھے ہوئے ہو۔)

اس شعر میں اس نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے حال کی تشبیہہ ایک ایسے شخص سے دی ہے جو اپنے گھوڑے کے ساتھ کھڑا ہو اور اسے بھوک اور بادِ تند کے مقابلے کی تربیت دے رہا ہو۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ اہلِ عرب تشبیہہ کے لئے انہی چیزوں کو استعمال کرتے تھے جو ان کے عام تجربے میں آئی ہوں۔ ان کو نادر چیزوں کی تلاش زیادہ نہیں ہوتی تھی۔

شعر میں لفظ "لدی" کا استعمال معنی خیز ہے کیونکہ اس سے مفہوم یہ پیدا ہوگا کہ وہ خود بھی اپنے گھوڑے کے ساتھ کھڑا تھا اور چونکہ یہ بات عام تجربے کے خلاف ہے کہ کوئی شخص اپنا گھوڑا لئے کھڑا ہو اور اس کا رُخ گھوڑے کے رُخ سے مختلف ہو، اس لئے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس تربیت میں اہلِ عرب خود بھی برابر کے شریک ہوتے تھے۔

الغرض گھوڑوں کے صوم کے بارے میں اشعار بہت ہیں، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اہلِ عرب گھوڑوں کے لئے روزے کی افادیت سے خوب واقف تھے اور اس مفہوم کی تعبیر کے لئے "صوم" ہی کا لفظ استعمال کرتے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی روزے کو "صوم" ہی سے تعبیر کیا۔ یوں بھی روزے کی عبادت کے لئے صوم کا لفظ ان کے ہاں پہلے سے مستعمل تھا کیونکہ انہوں نے اپنے ملک کے یہود و نصاریٰ کو روزہ رکھتے دیکھا تھا۔

اس بحث سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ جسمانی پہلو سے روزے کی حکمت عربوں کی نظروں سے اوجھل نہ تھی البتہ اس کے دینی اور روحانی پہلو کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے اس گمانِ باطل کی تردید کر دی کہ روزے کا مقصد ایذائے نفس ہے اور اس بات کی تصریح کر دی کہ اس کا مقصدِ اصلی طہارت اور پاکیزگی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو تکلیف میں مبتلا کرنا پسند نہیں کرتا۔

یہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ مسلمانوں کو روزوں کا حکم اسی زمانے میں دیا گیا جب ان پر جنگ و جہاد فرض کئے گئے۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ کے لئے روزے کی حکمت اس پہلو سے خوب عیاں ہو گئی کہ یہ دراصل مصیبت و مشقت برداشت کرنے کی مشق ہے۔ یہیں سے روزے اور جہاد کی باہمی مناسبت کے بارے میں بھی اصل حقیقت تک پہنچنا ان کے لئے مشکل نہ رہا کیونکہ جنگ کے لئے اس طرز کی تربیت کی ضرورت کا انہیں پہلے سے احساس تھا۔ البتہ ہم لوگ چونکہ اس پس منظر سے ناواقف تھے اس لئے روزہ اور جہاد کی باہمی

مناسبت بھی ہماری نگاہوں سے اوجھل رہی سا سی سے اس بات کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرام پر قرآن کا نظم اور آیات کی باہمی مناسبت خوب عیاں تھی۔ اس جملہ معترضہ کے بعد ہم اپنے اصل موضوع "حکمتِ صوم" کی طرف لوٹتے ہیں۔

حیوانات ہوں یا نباتات، ہمارا عام مشاہدہ ہے کہ ان کی قوی ترین جنسیں لمبے وقفوں کے بعد خوراک کی طرف رغبت کا اظہار کرتی ہیں۔ اس کے برعکس کمزور جنسیں چھوٹے چھوٹے وقفوں کے بعد غذا کی طرف لپکتی ہیں۔ ایک ہی جنس کے مختلف افراد میں بھی اس فرق کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے اور یہ ایک ایسا واضح امر ہے کہ اس کی طرف اشارہ ہی کافی ہے اور تفصیل کے طالبوں کو گہرے مشاہدے اور حیوانات اور نباتات کے احوال اور عادات پر لکھی گئی کتابوں سے مزید شواہد مل جائیں گے۔ اگر ایک انسانی فرد کا مطالعہ کیا جائے تو وہاں بھی یہی دیکھنے میں آئے گا کہ جوں جوں اس کی قوت، جنینی حالت سے لے کر جوانی تک، بڑھتی جائے گی کھانوں کے درمیان وقفہ بھی بڑھتا جائے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ کھانوں کے درمیان وقفے کا بڑھنا اور قوت میں اضافہ لازم و ملزوم ہیں۔

اقوامِ عالم کی عادات و اطوار کے مطالعے سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ مشہور انگریز فلسفی لاک نے "تعلیم و تربیت" پر اپنی کتاب میں قدیم یونانیوں اور رومیوں کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ دن رات میں ایک ہی مرتبہ کھایا کرتے تھے اور اگر کبھی ایسی ہی حاجت ہوتی تو ایک آدھ خشک ٹکڑے سے افطار کر لیتے۔ اس ابتدائی عہد میں ان کی قوت اور شجاعت کا سب کو اعتراف ہے البتہ جب خوشحالی نے ان پر غلبہ حاصل کر لیا تو ان کا نام و نشان مٹ گیا۔

اہلِ عرب کے ہاں بھی اسی قسم کا دستور تھا بلکہ وہ اس ریاضت میں دوسروں سے کچھ آگے ہی تھے۔ جہاں تک مجبوری کی حالت میں بھوک برداشت کرنے کا تعلق ہے تو یہ محتاجِ بیان نہیں۔ رہا جان بوجھ کر اور تسکین کی مقدرت رکھتے ہوئے مشق کی خاطر بھوکا رہنا، تو اس کی تربیت وہ اپنے گھوڑوں اور اونٹوں ہی کو نہ دیتے تھے، جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، بلکہ وہ اپنے آپ کو بھی اس مشقت میں برابر کا شریک کرتے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ بھوکا پیاسا رہنا ان کے لئے مشقت ہی نہ رہی تھی کیونکہ انہوں نے اپنے آپ کو اس کا اس حد تک خوگر بنا لیا تھا کہ اس نے ان کے لئے ایک مستقل عادت کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ وہ ایسا جان بوجھ کر کرتے تھے تو اس کا ثبوت یہ ہے کہ یہ عادت ان کے ہاں قابلِ تعریف سمجھی جاتی تھی اور وہ

لوگ جن کا حال اس کے برعکس ہوتا، وہ ان کے طعن کے تیروں کا نشانہ بنتے۔

تابط شرانے یہ باتیں کھول کھول کر بیان کی ہیں۔ دوسرے عرب شعراء کے ہاں بھی دھنسے ہوئے پیٹ کی تعریف اور بڑھی ہوئی توند کی مذمت میں بکثرت اشعار ملیں گے جسین بن مطیر کہتا ہے ؎

رأت رجلا اودی بوافر لحمه طلاب المعالی واکتساب المکارم

(اس نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کے پُرگوشت جسم کو اولوالعزمی اور شرف کے کارناموں نے سکھا کر رکھ دیا۔)

خفیف المشاضر باکان ثیابه علی قاطع من جوهر الهند صارم

(وہ ہلکا پھلکا اور چھریرے بدن کا ہے، گویا اس کے کپڑے ایک اصیل جوہردار تلوار کو پہنا دیئے گئے ہیں۔)

فقلت لها لاتعجبین فانی اری سمن الفتیان احدی الشائم

(تو میں نے اس سے کہا" اس میں اچنبھے کی کیا بات ہے میں تو یہ جانتا ہوں کہ جوانمردوں کے لئے موٹاپا بہت بڑا عیب ہے")

عوراء بنت سُبَیع اپنے بھائی عبداللہ بن سبیع کے مرثیے میں کہتی ہے ؎

طیان طاوی الکشح لا یُرخی لمظلمة ازاره

(وہ بھوکا رہنے والا ہے، اس کا پیٹ اس کی پیٹھ سے لگا ہوا ہے، وہ کسی مصیبت کے آنے پر بدحواس نہیں ہوتا۔)

یعصی البخیل اذا اراد المجد مخلوعا عذاره

(وہ جب سخاوت اور فیاضی کا تہیہ کر لیتا ہے تو بخیل کے مشوروں سے یوں منہ موڑ لیتا ہے گویا کہ وہ ایسا سرکش گھوڑا ہو جو اپنی لگام تڑوا بھاگے۔)

میتہ بنت ضرار اپنے بھائی کے مرثیے میں کہتی ہے ؎

لاتبعدان وکل شی ذاهب زین المجالس والندی قبیصا

(اے کاش تو جو مجلسوں کی زینت اور پنچایت کی جان تھا، ایک مشتِ خاک بن کر ہم سے دور نہ ہو جاتا، مگر ہائے افسوس ہر شے فانی ہے)

یطوی اذا ما الشح ابھم قفلہ　　بطنا من الزاد الخبیث خمیصا

(وہ اس وقت نجس توشے سے اعراض کر کے اپنا پیٹ خالی رکھا کرتا تھا جب کہ بخیل اپنے خزانوں کی کنجیاں کھو بیٹھتے تھے۔)

اور اس کا یہ وصف کہ وہ لوگوں کو اپنے کھانے میں شریک کرتا تھا یوں بیان کیا ہے ؎

لا تعرف الکلم العوراء مجلسہ　　ولا یذوق طعاما وھو مستور

(اس کی مجلس فحش کلمات سے ناآشنا تھی۔ اور وہ کبھی لوگوں سے چھپ کر کھانا نہیں چکھتا تھا)

اور تابط شرا نے اپنے ماموں کے مرثیے میں اسے یُوں خراجِ تحسین دیا ہے ؎

یابس الجنبین من غیر بوس　　وندی الکفین شھم مدل

(اس کا پیٹ پیٹھ سے لگا ہُوا ہے لیکن مفلسی کے سبب سے نہیں بلکہ اس لئے کہ وہ دوسروں کو کھلاتا ہے اور خود نہیں چکھتا۔ وہ سخی ہے بیدار مغز اور ہوشیار ہے اور اپنے دشمنوں پر اس کی گرفت مضبوط ہے)

اور عنترہ العبسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

ولقد ابیت علی الطوی واظلہ　　حتی انال بہ کریم الماکل

(میں رات بھر بھوکا پڑا رہتا تھا اور دن میں بھی پیٹ خالی رکھتا جب تک مجھے عزت کا کھانا میسر نہ آتا۔)

کیا عجب کہ جب یہ شعر حضورؐ کے سامنے پڑھا گیا ہو تو آپؐ نے فرمایا ہو "کبھی کسی بدو کا میرے سامنے ذکر نہیں ہُوا، اور میرے دل میں اسے دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی ہو سوائے عنترہ کے"[۵۱]
(م۔ا)

۲۔ حکمتِ جہاد

ہمارے قدیم مفسرین کا خیال یہ تھا کہ آیت سیف[۵۲] نے موعظت و نصیحت اور کفار و مشرکین کے لئے رخصت و رعایت کی بہت سی آیتوں کو منسوخ کر دیا۔ ہمارے زمانہ کے متکلمین کی ایک جماعت اس

[۵۲] آیت سیف سے مراد سورہ توبہ کی آیت ۵ ہے فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ (جب احترام کے مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو قتل کرو جہاں کہیں تم ان کو پاؤ اور ان کو پکڑو اور ان کو گھیرو اور ان کے لئے ہر جگہ گھات میں بیٹھو)

[۵۱] افسوس کہ مولانا فراہیؒ روزے کے روحانی اثرات کے بارے میں اپنی تحقیق بیان نہیں کر سکے۔ (مترجم)

کے برعکس یہ سمجھتی ہے کہ آیت سیف نے ان کو منسوخ تو نہیں کیا لیکن اسلام میں جہاد صرف دفاع کیلئے ہے۔ ان کے خیال میں عہدِ نبوت میں جو غزوات ہوئے ان سب کی نوعیت دفاعی تھی اور بعد میں خلفاءؓ اور صحابہؓ نے جو لڑائیاں لڑیں وہ تمام تر ملوکانہ جنگیں تھیں۔ ان کو جہاد فی سبیل اللہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

میرے نزدیک اصل حقیقت اس سے بالکل مختلف ہے۔ مسلمانوں پر جہاد کو لازم کرنے کی حکمت یہ ہے کہ دنیا میں عدل و قسط کو قائم کیا جائے اور ظلم اور فتنہ (یعنی دین حق کے پیروؤں پر ظلم و ستم) کو مٹایا جائے۔

دنیا میں دو چیزوں سے بہت بڑا اختلاف پیدا ہوتا ہے، ایک ظلم سے اور دوسرا ظن و گمان کی پیروی سے۔ اس اختلاف کو مٹانے میں بھی دو ہی چیزیں کارآمد ہوتی ہیں ایک قسط کا قیام اور دوسری علم کی پختگی۔ قسط نام ہے درست عمل کا اور علم نام ہے درست رائے کا ــــــــــــ

ــــــ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے اس کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ قسط کو قائم کرنے والا ہے۔ اس نے دنیا میں اپنے خلیفہ انسان کے لئے بھی جو راستہ پسند فرمایا وہ قسط ہی کا تھا۔ چنانچہ اس نے قسط کی طرف ہدایت دینے والی کتاب نازل فرمائی اور جس طرح انسانوں کو کتاب پر ایمان لانے کا حکم دیا اسی طرح قسط کو لازم پکڑنے کا بھی حکم دیا۔ یہی وجہ ہے کہ قسط سے خالی کوئی دین خدا کو پسند نہیں۔ وہ خود حق ہے اور حق ہی کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔

اگر کوئی سرکش طاقت دنیا میں عدل و قسط کو ڈھانے والی اور لوگوں کو دین سے اور اللہ کی اطاعت سے روکنے والی ہو تو اس طاقت کو مٹانے اور دین اور قسط کی نصرت و حمایت کیلئے اُٹھ کھڑے ہونے کو خدا نے ہم پر لازم کیا ہے۔ اسی حمایت قسط اور نصرت دین کو قرآن میں جہاد فی سبیل اللہ کہا گیا۔ اسی حقیقت کی صراحت ذیل کی آیت میں کی گئی ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ (حدید ۲۵)

ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دیکر بھیجا اور ان پر کتاب اور میزان اتاری تاکہ لوگ قسط پر قائم رہیں اور ہم نے لوہا پیدا کیا جس میں زبردست سطوت ہے اور لوگوں کیلئے دوسرے فائدے بھی ہیں اور اس لئے کہ خدا ان لوگوں کو

متعین کرے جو غیب میں رہتے ہوئے اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں۔

اسی آیت کے مشابہ وہ آیت بھی ہے جس میں مظلوم کی نصرت و حمایت کر کے اور ظالم کے ظلم کا دفعیہ کر کے قسط کو قائم کرنے کا حکم دیا گیا۔ فرمایا

وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ ۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىْ تَبْغِىْ حَتّٰى تَفِىْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۔ (حجرات ۹)

اور اگر مومنوں میں سے دو فریق لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو اور اگر ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع کرلے۔ پس جب وہ رجوع کرلے تو دونوں فریقوں میں عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور قسط سے کام لو۔ بیشک اللہ قسط کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اس تفصیل سے علم حقیقی اور قسط کا باہمی تعلق بھی واضح ہوا اور وہ تعلق بھی معلوم ہوا جو علم و قسط اور دین و جہاد کے درمیان ہے۔ وہ ایمان معتبر نہیں جو شکوک سے پاک نہ ہو اور وہ دین حقیقی نہیں جس میں بغاوت و سرکشی پائی جائے۔ جہاد اس وقت تک جاری رہے گا جب تک فتنہ (PERSECUTION) اور سرکشی باقی رہے جب یہ دونوں چیزیں نہ پائی جائیں تو جہاد کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اسی لئے فرمایا

لَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۔ (بقرہ ۱۹۳)　ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں۔

جہل و کفر کے حالات سے ہمیں جتنی کچھ واقفیت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فتنہ اور خدا سے بغاوت ایک ایسی چیز ہے جس سے دنیا کبھی پاک نہیں ہو سکتی۔ لہذا جہاد کا حکم وقتی نہیں تھا بلکہ ہمیشہ کے لئے ہے۔ قرآن سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے۔ فرمایا

وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۔ (بقرہ ۲۱۷)

اور یہ تمہارے ساتھ اس وقت تک جنگ کرتے رہینگے جب تک تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں اگر یہ اس پر قادر ہو جائیں۔

لَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ (بقرہ ۱۲۰)

تم سے نہ تو یہودی کبھی خوش ہوں گے اور نہ عیسائی جب تک تم ان کے مذہب کی پیروی نہ اختیار کر لو۔

اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ جب تک کفر دنیا میں باقی ہے جہاد جاری رہے گا دوسرے

یہ کہ جہاد صرف فتنہ و سرکشی کی سرکوبی کے لئے لازم ہے۔

اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل پر غور کرو۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اس وعدہ کی تکمیل کے لئے بھیجا تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا تھا اور آپ کو اس ذمہ داری کا وارث بنایا تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اس آیت کے بموجب ڈالی گئی تھی۔

اِنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعَاكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ۝　　یہ کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک رکھو۔

(بقرۃ ۱۲۵)

نیز آپؐ نبی خاتم کی حیثیت سے مبعوث ہوئے تھے اور آپ کے دین کو اللہ تعالیٰ تمام ادیان پر غالب کرنے والا تھا۔ اس مقصد کے لئے پہلے آپ کو حکم ہوا کہ لوگوں کو وعظ و تلقین فرمائیں کہ لوگ آپ کی باتوں کو سنیں اور مانیں اور اپنے حالات کی اصلاح کریں۔ آپ کو قتال کی اجازت اس وقت تک نہیں دی گئی جب تک لوگوں پر اللہ کی حجت تمام نہیں ہوگئی اور تبلیغ کا فرض اچھی طرح ادا نہیں ہوگیا جب فرض تبلیغ اچھی طرح ادا ہو چکا تب آپ کو حکم ہوا کہ آپ خانہ کعبہ کو مشرکین کے قبضہ سے آزاد کرائیں اور عہد ابراہیمی کے بموجب دین حنیفی کو اس سرزمین میں از سر نو تازہ کریں اور اگر ضرورت پیش آئے تو اس کے لئے قوت کو بھی استعمال کریں۔ قوت کے استعمال کی یہ اجازت بھی آپ کو ہجرت کے بعد دی گئی۔ ہجرت کے بعد اس لئے کہ ہجرت سے پہلے جہاد سوائے اس کے جو حفاظت نفس کے لئے ہو، سرتاسر ظلم و فساد ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قتال محض دفاع کے لئے نہیں واجب ہوا بلکہ کعبہ کو فتح کرنے اور بنی اسمٰعیل کے اندر دین حنیفی کو از سر نو قائم کرنے کے لئے ہوا۔

باقی رہے غیر بنی اسمٰعیل تو ان کے ساتھ جہاد کا حکم اس لئے دیا گیا کہ ان کو عدل و قسط پر قائم کیا جائے اور زمین کو فساد سے پاک کیا جائے۔ اہل کتاب اور غیر بنی اسمٰعیل کو دین کے معاملہ میں آزادی حاصل رہی۔ ان کے لئے ایمان نہ لانے کی صورت میں جزیہ کی راہ کھلی ہوئی تھی لیکن بنی اسمٰعیل کے لئے اتمام حجت کے بعد یہ راہ کھلی نہیں چھوڑی گئی تھی۔

لیکن جہاد کے متعلق یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ فتنہ اور قتل کو روکنے کے لئے بعض اوقات صلح و صفائی کا طریقہ زیادہ کامیاب رہتا ہے۔ اس لئے جہاد سب سے آخری تدبیر ہے۔ اسی لئے اس کے (باقی بر صفحہ ۵۳)

مقالات

امین احسن اصلاحی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت ایک مُدبّر اور ماہر سیاست

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے دنیا کے لئے جو دین بھیجا وہ جس طرح ہماری انفرادی زندگی کا دین ہے اسی طرح ہماری اجتماعی زندگی کا بھی دین ہے۔ جس طرح وہ عبادت کے طریقے بتاتا ہے اسی طرح وہ سیاست کے آئین بھی سکھاتا ہے اور جتنا تعلق اس کا مسجد سے ہے اتنا ہی تعلق اس کا حکومت سے بھی ہے۔ اس دین کو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بتایا اور سکھایا بھی، اور ایک وسیع ملک کے اندر اس کو عملاً جاری و نافذ بھی کر دیا اس وجہ سے حضور اکرم صلعم کی زندگی جس طرح بحیثیت ایک مزکی نفوس اور ایک معلم اخلاق کے ہمارے لئے اسوہ اور نمونہ ہے اسی طرح بحیثیت ایک ماہر سیاست اور ایک مدبّر کامل کے بھی اسوہ اور مثال ہے۔

اس امر واقعی سے ہر شخص واقف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب قوم سیاسی اعتبار سے ایک نہایت پست حال قوم تھی۔ مشہور مؤرخ علامہ ابن خلدون نے تو ان کو ان کے مزاج کے اعتبار سے بھی ایک بالکل غیر سیاسی قوم قرار دیا ہے۔ ممکن ہے بعض لوگوں کو اس رائے سے پورا پورا اتفاق نہ ہو تاہم اس حقیقت سے تو کوئی شخص بھی انکار نہیں کر سکتا کہ اہلِ عرب اسلام سے پہلے اپنی پوری تاریخ میں کبھی وحدت اور مرکزیت سے آشنا نہ ہوئے، بلکہ ہمیشہ ان پر نراج اور انارکی کا تسلط رہا۔ پوری قوم جنگجو اور باہم نبرد آزما قبائل کا ایک مجموعہ تھی جس کی ساری قوت و صلاحیت خانہ جنگیوں اور آپس کی لوٹ مار میں برباد ہوتی تھی۔ اتحاد، تنظیم، شعورِ قومیت اور حکم و اطاعت وغیرہ جیسی چیزیں جن پر اجتماعی اور سیاسی زندگی کی بنیادیں قائم ہوتی ہیں ان کے اندر یکسر مفقود تھیں۔ ایک خاص بدویانہ حالت پر

صدیوں تک زندگی گزارتے گزارتے ان کا مزاج نزاع پسندی کے لئے اتنا پختہ ہو چکا تھا کہ ان کے اندر وحدت و مرکزیت پیدا کرنا ایک امر محال بن چکا تھا۔ خود قرآن نے ان کو قوماً لدّا کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے جس کے معنی جھگڑالو قوم کے ہیں۔ اور ان کی وحدت و تنظیم کے بارے میں فرمایا ہے کہ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ اگر تم زمین کے سارے خزانے بھی خرچ کر ڈالتے جب بھی ان کے دلوں کو آپس میں جوڑ نہیں سکتے تھے۔

لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ سال کی قلیل مدت میں اپنی تعلیم و تبلیغ سے اس قوم کے مختلف عناصر کو اس طرح جوڑ دیا کہ یہ پوری قوم ایک بُنْیَان مَّرْصُوْص بن گئی۔ یہ صرف متحد اور منظم ہی نہیں ہو گئی بلکہ اس کے اندر سے صدیوں کے پرورش پائے ہوئے اسباب نزاع و اختلاف بھی ایک ایک کر کے دُور ہو گئے۔ یہ صرف اپنے ظاہر ہی میں متحد و مربوط نہیں ہو گئی بلکہ اپنے باطنی عقائد و نظریات میں بھی بالکل ہم آہنگ و ہم رنگ ہو گئی، یہ صرف خود ہی منظم نہیں ہو گئی بلکہ اس نے پوری انسانیت کو بھی اتحاد و تنظیم کا پیغام دیا۔ اور اس کے اندر حکم و اطاعت دونوں چیزوں کی ایسی اعلیٰ صلاحیتیں ابھر آئیں کہ صرف استعارے کی زبان میں نہیں بلکہ واقعات کی زبان میں یہ قوم شتربانی کے مقام سے جہاں بانی کے مقام پر پہنچ گئی۔ اور اس نے بلا استثناء دنیا کی ساری ہی قوموں کو سیاست اور جہاں بانی کا درس دیا۔

اس تنظیم و تالیف کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک بالکل اصولی اور انسانی تنظیم تھی۔ اس کے پیدا کرنے میں حضورؐ نے نہ تو قومی، نسلی، لسانی اور جغرافیائی تعصبات سے کوئی فائدہ اٹھایا نہ قومی حوصلوں کی انگیخت سے کوئی کام لیا، نہ دنیوی مفادات کا کوئی لالچ دلایا، نہ کسی دشمن کے ہوّے سے لوگوں کو ڈرایا۔ دُنیا میں جتنے بھی چھوٹے بڑے مدبر اور سیاست دان گزرے ہیں، انہوں نے ہمیشہ اپنے سیاسی منصوبوں کی تکمیل میں انہی محرکات سے کام لیا ہے۔ اگر حضورؐ بھی ان چیزوں سے فائدہ اُٹھاتے تو یہ بات آپؐ کی قوم کے مزاج کے بالکل مطابق ہوتی لیکن آپؐ نے نہ صرف یہ کہ ان چیزوں سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا بلکہ ان میں سے ہر چیز کو ایک فتنہ قرار دیا۔ اور ہر فتنہ کی خود اپنے ہاتھوں سے بیخ کنی فرمائی۔ آپؐ نے اپنی قوم کو صرف خدا کی بندگی اور اطاعت، عالم گیر انسانی اخوت، ہمہ گیر عدل و انصاف، اعلائے کلمۃ اللہ اور خوف آخرت کے محرکات سے جگایا۔ یہ سارے محرکات نہایت اعلیٰ اور پاکیزہ تھے اس وجہ سے آپ کی مساعی سے دنیا کی قوموں میں صرف ایک قوم کا اضافہ نہیں ہوا بلکہ ایک بہترین اُمت ظہور میں آئی جس کی تعریف

یہ بیان کی گئی ہے ۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ (تم دنیا کی بہترین اُمت ہو جو لوگوں کو نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے لئے اُٹھائے گئے ہو)

حضورؐ کی سیاست اور حضورؐ کے تدبر کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ آپ جن اصولوں کے داعی بن کر اُٹھے اگرچہ وہ جیسا کہ میں نے عرض کیا فرد معاشرہ اور قوم کی ساری زندگی پر حاوی تھے ۔ اور انفرادی و اجتماعی زندگی کا ہر گوشہ ان کے احاطہ میں آتا تھا لیکن آپؐ نے اپنے کسی اصول کے معاملہ میں کبھی کوئی لچک قبول نہیں فرمائی ۔ نہ دشمن کے مقابل میں نہ دوست کے مقابل میں ۔ آپ کو سخت سے سخت حالات سے سابقہ پیش آیا ۔ ایسے سخت حالات سے کہ لوہا بھی ہوتا تو ان کے مقابل میں نرم پڑ جاتا ۔ لیکن آپ کی پوری زندگی گواہ ہے کہ آپؐ نے کسی سختی سے دب کر کسی اصول کے معاملہ میں کوئی سمجھوتہ گوارا نہیں فرمایا ۔ اسی طرح آپؐ کے سامنے پیشکشیں بھی کی گئیں اور آپؐ کو مختلف قسم کی دینی اور دنیوی مصلحتیں بھی سمجھانے کی کوشش کی گئی لیکن ان چیزوں میں سے بھی کوئی چیز آپ کو متاثر یا مرعوب نہ کر سکی ۔ چنانچہ آپؐ جب دنیا سے تشریف لے گئے تو اس حال میں تشریف لے گئے کہ آپ کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی ہر بات اپنی جگہ پر پتھر کی لکیر کی طرح ثابت و قائم تھی ۔ دُنیا کے مدبروں اور سیاست دانوں میں سے کسی ایسے مدبر اور سیاست دان کا نشان آپ نہیں دے سکتے جو اپنے دو چار اصولوں کو بھی دُنیا میں برپا کرنے میں اتنا مضبوط ثابت ہو سکا ہو کہ اس کی نسبت یہ دعوےٰ کیا جا سکے کہ اس نے اپنے کسی اصول کے معاملہ میں کمزوری نہیں دکھائی یا کوئی ٹھوکر نہیں کھائی لیکن حضورؐ نے ایک پورا نظام زندگی کھڑا کر دیا جو اپنی خصوصیات کے لحاظ سے زمانہ کے مذاق اور رجحان سے اتنا بے جوڑ تھا کہ وقت کے مدبرین اور ماہرین سیاست اس انوکھے نظام کے پیش کرنے کے سبب سے حضور صلعم کو نعوذ باللہ دیوانہ کہتے تھے لیکن حضورؐ نے اس نظامِ زندگی کو عملاً دنیا میں برپا کر کے ثابت کر دیا کہ جو لوگ آپؐ کو دیوانہ سمجھتے تھے ...... وہ خود دیوانے تھے ۔

صرف یہی نہیں کہ حضورؐ نے کسی ذاتی مفاد یا مصلحت کی خاطر اپنے کسی اصول میں کوئی ترمیم نہیں فرمائی بلکہ اپنے پیش کردہ اصولوں کے لئے بھی اپنے اصولوں کی قربانی نہیں دی ۔ اصولوں کے لئے جان اور مال اور دوسری تمام محبوبات کی قربانی دی گئی ۔ ہر طرح کے خطرات برداشت کئے گئے اور ہر طرح کے نقصانات گوارا کئے گئے لیکن اصولوں کی ہر حال میں حفاظت کی گئی ۔ اگر کوئی بات صرف کسی خاص مدت تک کے لئے

تھی تو اسکا معاملہ اور تھا، وہ اپنی مدت پوری کر چکنے کے بعد ختم ہو گئی یا اس کی جگہ اس سے بہتر کسی دوسری چیز نے لے لی۔ لیکن باقی رہنے والی چیزیں ہر حال میں اور ہر قیمت پر باقی رکھی گئیں۔ آپ کو اپنی پوری زندگی میں یہ کہنے کی نوبت کبھی نہیں آئی کہ میں نے دعوت تو دی تھی فلاں اصول کی لیکن اب حکمت عملی کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو چھوڑ کر اس کی جگہ پر فلاں بات بالکل اس کے خلاف اختیار کر لی جائے۔

حضورؐ کی سیاست اس اعتبار سے بھی دنیا کے لئے ایک نمونہ اور مثال ہے کہ آپؐ نے سیاست کو عبادت کی طرح ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک رکھا۔ آپ جانتے ہیں کہ سیاست میں وہ بہت سی چیزیں مباح بلکہ بعض صورتوں میں مستحسن سمجھی جاتی ہیں جو شخصی زندگی کے کردار میں مکروہ اور حرام قرار دی جاتی ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنی کسی ذاتی غرض کے لئے جھوٹ بولے، چالبازیاں کرے، عہد شکنیاں کرے، لوگوں کو فریب دے یا ان کے حقوق غصب کرے تو اگرچہ اس زمانہ میں اقدار اور پیمانے بہت کچھ بدل چکے ہیں تاہم اخلاق بھی ان چیزوں کو معیوب ٹھہراتا ہے، اور قانون بھی ان باتوں کو جرم قرار دیتا ہے۔ لیکن اگر ایک سیاستدان اور ایک مدبر یہی سارے کام اپنی سیاسی زندگی میں اپنی قوم یا اپنے ملک کے لئے کرے تو یہی سارے کام اس کے فضائل و کمالات میں شمار ہوتے ہیں۔ اس کی زندگی میں بھی اس کے اس طرح کے کارناموں پر اس کی تعریفیں ہوتی ہیں اور مرنے کے بعد بھی اپنے انہی کمالات کی بنا پر وہ اپنی قوم کا ہیرو سمجھا جاتا ہے۔ سیاست کے لئے یہی اوصاف و کمالات عرب جاہلیت میں بھی ضروری سمجھے جاتے تھے اور اسکا نتیجہ یہ تھا کہ جو لوگ ان باتوں میں شاطر ہوتے تھے وہی لوگ ابھر کر قیادت کے مقام پر آتے تھے۔

لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سیاسی زندگی سے دنیا کو یہ درس دیا کہ ایمانداری اور سچائی جس طرح انفرادی زندگی کی بنیادی اخلاقیات میں سے ہے اسی طرح اجتماعی اور سیاسی زندگی کے لوازم میں سے بھی ہے بلکہ آپؐ نے ایک عام شخص کے جھوٹ کے مقابلہ میں ایک صاحب اقتدار اور ایک بادشاہ کے جھوٹ کو جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہیں زیادہ سنگین قرار دیا ہے۔ آپؐ کی پوری سیاسی زندگی ہمارے سامنے ہے، اس سیاسی زندگی میں وہ تمام مراحل آپؐ کو پیش آئے جن کے پیش آنے کی ایک سیاسی زندگی میں توقع کی جا سکتی ہے۔ آپؐ نے ایک طویل عرصہ نہایت مظلومیت کی حالت میں گزارا اور کم و بیش اتنا ہی عرصہ آپؐ نے اقتدار اور سلطنت کا گزارا۔ اس دوران میں آپؐ کو حریفوں اور حلیفوں دونوں سے مختلف قسم کے سیاسی اور تجارتی معاہدے کرنے پڑے، دشمنوں سے متعدد جنگیں کرنی پڑیں، عہد شکنی کرنیوالوں

کے خلاف جوابی اقدامات کرنے پڑے، قبائل کے وفود سے معاملے کرنے پڑے۔ آس پاس کی حکومتوں کے وفود سے سیاسی گفتگوئیں کرنی پڑیں۔ اور سیاسی گفتگوؤں کے لئے اپنے وفود ان کے پاس بھیجنے پڑے۔ بعض بیرونی طاقتوں کے خلاف فوجی اقدامات کرنے پڑے۔ یہ سارے کام آپ نے انجام دیئے۔ لیکن دوست اور دشمن ہر شخص کو اس بات کا اعتراف ہے کہ آپ نے کبھی کوئی جھوٹا وعدہ نہیں کیا۔ اپنی کسی بات کی غلط تاویل کرنے کی کوشش نہیں فرمائی۔ کوئی بات کہہ چکنے کے بعد اس سے انکار نہیں کیا۔ کسی معاہدہ کی کبھی خلاف ورزی نہیں کی۔ حلیفوں کا نازک سے نازک حالات میں بھی ساتھ دیا...... اور دشمنوں کے ساتھ بدتر سے بدتر حالات میں بھی انصاف کیا۔ اگر آپ دنیا کے مدبرین اور اہلِ سیاست کو اس کسوٹی پر جانچیں تو میں پورے اعتماد کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو بھی آپ اس کسوٹی پر کھرا نہ پائیں گے۔ پھر یہ بات بھی ملحوظ رکھنے کی ہے کہ سیاست میں عبادت کی سی دیانت اور سچائی قائم رکھنے کے باوجود حضورؐ کو اپنی سیاست میں کبھی کسی ناکامی کا تجربہ نہیں کرنا پڑا۔ اب آپ اس چیز کو چاہے تدبر سے تعبیر کیجئے یا حکمتِ نبوت سے۔

حضورؐ کی سیاست اور حضورؐ کے تدبر کا یہ بھی ایک اعجاز ہے کہ آپؐ نے عرب جیسے ملک کے ایک ایک گوشہ میں امن و عدل کی حکومت قائم کر دی۔ کفار و مشرکین کا زور آپ نے اس طرح توڑ دیا کہ فتح مکہ کے موقع پر فی الواقع انہوں نے گھٹنے ٹیک دیئے۔ یہود کی سیاسی سازشوں کا بھی آپ نے خاتمہ کر دیا۔ رومیوں کی سرکوبی کے لئے بھی آپ نے انتظامات فرمائے۔ یہ سارے کام آپ نے کر ڈالے لیکن اس سارے جہاد کے اندر انسانی خون بہت کم بہا۔ نبی کریم صلعم سے پہلے کی تاریخ بھی شہادت دیتی ہے اور آج کے واقعات بھی شہادت دے رہے ہیں کہ دنیا کے چھوٹے چھوٹے انقلابات میں بھی ہزاروں لاکھوں جانیں ختم ہو جاتی ہیں اور مال و اسباب کی بربادی کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے جو انقلاب برپا ہوا اس کی عظمت اور وسعت کے باوجود شاید ان نفوس کی تعداد چند سو سے زیادہ نہیں ہو گی، جو اس ساری جدوجہد کے دوران میں حضورؐ کے ساتھیوں میں سے شہید ہوئے یا مخالف گروہ کے آدمیوں میں سے قتل ہوئے۔

پھر یہ بات بھی غایت درجہ اہمیت رکھتی ہے۔ کہ دنیا کے معمولی معمولی انقلابات میں بھی ہزاروں لاکھوں آبروئیں فاتح فوجوں کی ہوس کا شکار ہو جاتی ہیں۔ اس تہذیب و تمدن کے زمانہ میں بھی ہم نے دیکھا ہے کہ

فاتح ملک کی فوجوں نے مفتوح ملک کی سڑکیں اور گلیاں حرام کی نسلوں سے بھر دی ہیں۔ اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ارباب سیاست اس صورت حال پر شرمندگی اور ندامت کا اظہار کرنے کی بجائے اس کو ہر انقلاب کا ایک ناگزیر نتیجہ قرار دیتے ہیں لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں دنیا میں جو انقلاب رونما ہوا اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ کوئی ایک واقعہ بھی ہم کو ایسا نہیں ملتا کہ کسی کے ناموس پر دست درازی کی گئی ہو۔

اہل سیاست کے لئے طمطراق بھی سیاست کے لوازم میں سے سمجھا جاتا ہے۔ جو لوگ عوام کو ایک نظام میں پرونے اور ایک نظم قاہر کے تحت منظم کرنے کے لئے اٹھتے ہیں وہ بہت سی باتیں اپنوں اور بیگانوں پر اپنی سطوت جمانے اور اپنی ہیبت قائم کرنے کے لئے اختیار کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ساری باتیں ان کی سیاسی زندگی کے لازمی تقاضوں میں سے ہیں اگر وہ یہ باتیں نہ اختیار کریں گے تو سیاست کے جو تقاضے ہیں وہ ان کے پورے کرنے سے قاصر رہ جائیں گے۔ اسی طرح کے مقاصد کے پیش نظر جب وہ نکلتے ہیں تو بہت سے لوگ ان کے جلو میں چلتے ہیں، جہاں وہ ظاہر ہوتے ہیں ان کے نعرے بلند کرائے جاتے ہیں، جہاں وہ اُترتے ہیں ان کے جلوس نکالے جاتے ہیں۔ جلسوں میں ان کے حضور میں ایڈریس پیش کئے جاتے ہیں اور ان کی شان میں قصیدے پڑھے جاتے ہیں۔ جب وہ مزید ترقی کر جاتے ہیں تو ان کے لئے قصر و ایوان آراستہ کئے جاتے ہیں، ان کو سلامیاں دی جاتی ہیں، ان کے لئے بری و بحری اور ہوائی خاص سواریوں کے انتظامات کئے جاتے ہیں۔ جب کبھی وہ کسی سڑک پر نکلنے والے ہوتے ہیں تو وہ سڑک دوسروں کے لئے بند کر دی جاتی ہے۔ اس زمانہ میں ان چیزوں کے بغیر کسی صاحب سیاست کا تصور نہ دوسرے لوگ ہی کرتے ہیں اور نہ کوئی .... صاحب سیاست ان لوازم سے الگ خود اپنا کوئی تصور کرتا ہے لیکن ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس اعتبار سے بھی دنیا کے تمام اہل سیاست سے الگ رہے۔ جب آپ اپنے صحابہؓ میں چلتے تو کوشش فرماتے کہ سب کے پیچھے چلیں۔ مجلس میں تشریف رکھتے تو اس طرح گھل مل کر بیٹھتے کہ یہ امتیاز کرنا مشکل ہوتا کہ محمد رسول اللہ کون ہیں۔ کھانا کھانے کے لئے بیٹھتے تو دو زانو ہو کر بیٹھتے اور فرماتے کہ میں اپنے رب کا غلام ہوں اور جس طرح ایک غلام کھانا کھاتا ہے اسی طرح میں بھی کھانا کھاتا ہوں۔ ایک مرتبہ ایک بدو اپنے اس تصور کی بنا پر جو حضورؐ کے بارے میں اس کے ذہن میں رہا ہوگا، سامنے آیا تو حضورؐ کو دیکھ کر کانپ گیا۔ آپؐ نے اسے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ ڈرو نہیں میری ماں بھی

سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی یعنی جس طرح تم نے اپنی ماں کو بدویانہ زندگی میں سوکھا گوشت کھاتے دیکھا ہوگا اسی طرح کا سوکھا گوشت کھانے والی ایک ماں کا بیٹا میں بھی ہوں۔ نہ آپ کے لئے کوئی خاص سواری تھی، نہ کوئی خاص قصر و ایوان تھا، نہ کوئی خاص باڈی گارڈ تھا۔ آپ جو لباس دن میں پہنتے اسی میں شب میں استراحت فرماتے اور تمام اہم سیاسی امور کے فیصلے فرماتے۔

یہ خیال نہ فرمائیے کہ اس زمانہ کی بدویانہ زندگی میں سیاست اس طمطراق اور اس ٹھاٹ باٹ سے آشنا نہیں ہوئی تھی، جس طمطراق اور جس ٹھاٹ باٹ کی وہ اب عادی ہوگئی ہے۔ جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں ان کا خیال بالکل غلط ہے، سیاست اور اہل سیاست کی تاناشاہی ہمیشہ سے یہی رہی ہے۔ فرق اگر ہوا ہے تو محض بعض ظاہری باتوں میں ہوا ہے۔ البتہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نئے طرز کی سیاسی زندگی کا نمونہ دنیا کے سامنے رکھا۔ جس میں دنیوی کرّ و فر کے بجائے خلافت الٰہی کا جلال اور ظاہری ٹھاٹ باٹ کی جگہ خدمت اور محبّت کا جمال تھا۔ لیکن اس سادگی اور فقر و درویشی کے باوجود اس کے دبدبے اور اس کے شکوہ کا یہ عالم تھا کہ روم و شام کے بادشاہوں پر اس کے تصوّر سے لرزہ طاری ہوتا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاست اور آپ کے تدبر کا ایک اور پہلو بھی خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ آپ نے اپنی حیات مبارکہ میں ہی ایسے لوگوں کی ایک بہت بڑی جماعت بھی تربیت کرکے تیار کردی جو آپ کے پیدا کردہ انقلاب کو اس کے اصلی مزاج کے مطابق آگے بڑھانے، اس کو مستحکم کرنے اور اجتماعی و سیاسی زندگی میں اس کے تمام مقتضیات کو بروئے کار لانے کے لئے پوری طرح اہل تھے۔ چنانچہ اس تاریخی حقیقت سے کوئی شخص بھی انکار نہیں کرسکتا کہ حضورؐ کی وفات کے بعد اس انقلاب نے عرب سے نکل کر آس پاس کے دوسرے ممالک میں قدم رکھ دیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کرۂ ارض کے تین براعظموں میں اس نے اپنی جڑیں جما لیں اور اسکی اس وسعت کے باوجود اس کی قیادت کے لئے موزوں اشخاص و رجال کی کمی محسوس نہیں ہوئی۔ میں نے جن تین براعظموں کی طرف اشارہ کیا ہے ان کے متعلق یہ حقیقت بھی ہر شخص جانتا ہے کہ ان کے اندر وحشی قبائل آباد نہیں تھے بلکہ وقت کی نہایت ترقی یافتہ جبار و قہار شاہنشاہتیں تھیں لیکن اسلامی انقلاب کی موجوں نے جزیرۂ عرب سے اُٹھ کر ان کو ان کی جڑوں سے اس طرح اکھاڑ کر پھینکا گویا زمین میں ان کی کوئی بنیاد ہی نہیں تھی۔ اور ان کے ظلم و جور کی جگہ ہر گوشے میں اسلامی تہذیب و تمدن کی برکتیں پھیلادیں جن سے دنیا صدیوں تک متمتع ہوتی رہی۔

دنیا کے تمام مدّبرین اور اہل سیاست کی پوری فہرست پر نگاہ ڈال کر غور کیجئے کہ ان میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نظر آتا ہے جس نے اپنے دو چار ساتھی بھی ایسے بنانے میں کامیابی حاصل کی ہو جو اس کے فکر و فلسفہ اور اس کی سیاست کے ان معنوں میں عالم اور عامل رہے ہوں جن معنوں میں رسول اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقہ کے عالم و عامل ہزاروں صحابہؓ تھے۔

آخر میں ایک بات بطور تنبیہہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اصلی مرتبہ اور مقام یہ ہے کہ آپ نبی خاتم اور پیغمبر عالم ہیں۔ سیاست اور تدبر اس مرتبہ بلند کا ایک ادنیٰ شعبہ ہے۔ جس طرح ایک حکمران کی زندگی پر ایک تحصیلدار کی زندگی کے زاویہ سے غور کرنا ایک بالکل ناموزوں بات ہے اس سے زیادہ ناموزوں بات شاید یہ ہے کہ ہم سید کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی پر ایک ماہر سیاست یا ایک مدبّر کی زندگی کی حیثیت سے غور کریں۔ نبوّت اور رسالت ایک عظیم عطیہ الٰہی ہے جب یہ عطیہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو بخشتا ہے تو وہ سب کچھ اس کو بخش دیتا ہے، جو اس دنیا میں بخشا جا سکتا ہے۔ پھر حضورؐ تو صرف نبی ہی نہیں تھے بلکہ خاتم الانبیا تھے، صرف رسول ہی نہیں تھے بلکہ سید الرسل تھے .... صرف اہل عرب ہی کے لئے نہیں بلکہ تمام عالم کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور آپ کی تعلیم و ہدایت صرف کسی خاص مدت تک ہی کے لئے نہیں تھی، بلکہ ہمیشہ باقی رہنے والی تھی اور یہ بھی ہر شخص جانتا ہے کہ حضور کسی دین رہبانیت کے داعی بن کر نہیں آئے تھے بلکہ ایک ایسے دین کے داعی تھے جو روح اور جسم دونوں پر حاوی اور دنیا و آخرت دونوں کی حسنات کا ضامن تھا، جس میں عبادت کے ساتھ سیاست اور درویشی کے ساتھ حکمرانی کا جوڑ محض اتفاق سے نہیں پیدا ہو گیا تھا بلکہ یہ عین اس کی فطرت کا تقاضا تھا۔ جب صورت حال یہ ہے تو ظاہر ہے کہ حضورؐ سے بڑا سیاستدان اور مدبّر کون ہو سکتا ہے لیکن یہ چیز آپؐ کا اصلی کمال نہیں بلکہ جیسا کہ میں نے عرض کیا آپ کے فضائل و کمالات کا محض ایک ادنیٰ شعبہ ہے۔

جناب خالد مسعود صاحب

(۴)

حفاظتِ قرآن
دورِ حضرت عمر فاروقؓ

قرآن کی حفاظت کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں قرآن کی وسیع پیمانہ پر اشاعت کا خاص اہتمام کیا۔ انہوں نے کئی ایسے اقدامات کئے جن کے نتیجہ میں قرآن کا علم مملکت کے گوشے گوشے میں عام ہوگیا اور ہر جگہ بکثرت حفاظ پائے جانے لگے۔

معلمین قرآن کا تقرر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ میں بعض صحابہ کو تعلیم قرآن کے مقصد سے مختلف مقامات پر تعینات کیا تھا، حضرت عمرؓ نے یہ سلسلہ جاری رکھا اور اپنی ولایتوں میں عاملین کے ساتھ معلمین قرآن بھی مقرر کئے۔ آپ نے جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور عمار بن یاسرؓ کو کوفہ روانہ کیا تو اہل کوفہ کو لکھا کہ میں عمار کو امیر اور ابن مسعود کو معلم و وزیر بنا کر بھیج رہا ہوں، یہ دونوں آنحضرتؐ کے نجیب صحابی اور اہل بدر میں سے ہیں، تم ان کا حکم مانو اور ان کی بات سنو۔ ابن مسعودؓ کے معاملہ میں میں نے اپنے اُوپر تم کو ترجیح دی ہے۔ اس کے باوجود کہ خود مجھے ان کی ضرورت تھی، میں نے ان کو تمہارے پاس بھیج دیا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبلؓ کے ساتھ ابو موسیٰ اشعریؓ کو بھی یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تھا اور حکم دیا تھا کہ وہاں لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں انہیں کوفہ و بصرہ کا حاکم مقرر کیا۔ بصرہ والوں کو انہی نے قرآن پڑھایا۔

آپ نے معاذ بن جبلؓ، عبادہ بن الصامتؓ، ابی بن کعبؓ، ابو ایوبؓ اور ابو الدرداءؓ کو بلا کر کہا کہ شام کے مسلمانوں کو معلمین کی ضرورت ہے، آپ لوگ جا کر انہیں قرآن کی تعلیم دیجئے۔ ابو ایوب اور ابی بن

کعب کا جانا تو ممکن نہ ہوا، البتہ باقی تینوں صاحب اس مہم کے لئے تیار ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے ہدایت کی کہ پہلے حمص کو جائیں اور وہاں کچھ عرصہ قیام کریں۔ جب تعلیم پھیل جائے تو ایک شخص کو وہیں چھوڑ دیں، باقی دو صاحبوں میں سے ایک صاحب دمشق اور دوسرے فلسطین جائیں۔ چنانچہ یہ لوگ پہلے حمص گئے۔ جب وہاں تعلیم قرآن کا بندوبست ہو گیا تو عبادہ بن الصامتؓ نے وہیں قیام کیا اور ابوالدرداءؓ دمشق اور معاذ بن جبل فلسطین کو روانہ ہوئے۔ معاذ بن جبل نے طاعون عمواس میں وفات پائی لیکن ابوالدرداءؓ حضرت عثمانؓ کی آخیر خلافت تک زندہ اور دمشق میں مقیم رہے۔

حفظ قرآن کی تحریک حضرت عمرؓ نے مفتوحہ علاقوں میں ہر جگہ قرآن مجید کا درس جاری کیا اور معلم و قاری مقرر کئے۔ آپؓ نے اپنے عمال کو لکھ کر بھیجا کہ جو لوگ قرآن سیکھیں ان کی تنخواہیں مقرر کر دی جائیں۔ ایک موقع پر آپ نے فوجی افسروں کو اس مضمون کا خط بھیجا کہ حفاظ قرآن کو میرے پاس بھیج دو تاکہ میں ان کو قرآن کی تعلیم کے لئے جا بجا بھیجوں تو سعد بن ابی وقاصؓ نے جواب میں لکھا کہ صرف میری فوج میں تین سو حافظ قرآن موجود ہیں۔

آپ نے ہر جگہ یہ تاکیدی احکام بھیجے کہ قرآن مجید کے ساتھ صحت الفاظ و اعراب کی بھی تعلیم دی جائے۔ آپ نے یہ حکم بھی دیا کہ جو شخص لغت کا عالم نہ ہو، وہ قرآن نہ پڑھائے۔

نماز تراویح نماز تراویح کا حکم اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا اور اس پر اپنی زندگی میں عمل بھی فرمایا، مگر اس کے لئے باجماعت ادائیگی کی پابندی نہیں کی۔ حضرت عمرؓ نے صحابہ کو نماز تراویح کی باجماعت ادائیگی پر متفق کیا اور پوری مملکت میں یہ حکم بھیجا کہ ہر جگہ اسی پر عمل کیا جائے۔ اس حکم سے نہ صرف حفظ قرآن کی تحریک کو تقویت پہنچی بلکہ یہی حکم قرآن کو نسلاً بعد نسلٍ اُمت کو منتقل کرنے کا باعث بنا۔

دَورِ حضرت عثمانؓ

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں شام، مصر اور ایران کا وسیع علاقہ اسلامی سلطنت میں شامل ہو گیا۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں بھی فتوحات کا یہ سلسلہ اسی رفتار سے جاری رہا۔ آپ کی جو فوجیں آرمینیا اور آذربائیجان میں متعین تھیں، ان میں ایک صحابی حذیفہ بن الیمانؓ بھی تھے۔ انہوں نے یہ مشاہدہ کیا کہ تلاوت قرآن کے لئے فوجیوں میں مختلف علاقوں کی مناسبت سے مختلف لہجے رائج ہیں اور ان میں بعض اوقات اس اختلاف پر بحث و تکرار بھی ہو جاتی ہے۔ حذیفہؓ نے اس تکرار کو بڑی اہمیت دی اور امیر المومنین کو اس صورت

حال سے آگاہ کرنے کے لئے مدینہ روانہ ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ سے جا کر عرض کی " امیرالمؤمنین : اُمّت یہود و نصاریٰ کے اختلاف میں پڑنے کو ہے، اس کی خبر لیجئے "۔ حضرت عثمانؓ نے پوچھا " کیوں کیا ہوا "۔ انہوں نے صورت واقعہ تفصیل سے بتا کر کہا کہ قرأت کا یہ معمولی اختلاف آگے چل کر کسی بڑے تفرقہ کا پیش خیمہ ثابت نہ ہو۔ حضرت عثمانؓ نے معاملہ کی سنگینی کو بھانپ لیا اور صحابہ سے اس معاملہ میں مشورہ طلب کیا۔ انہوں نے خلیفہ کی ذاتی رائے دریافت کی تو حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ قرآن قریش کی زبان پر نازل ہوا ہے، اس لئے دوسری علاقائی زبانیں یا لہجے اس سے مناسبت نہیں رکھتے۔ لہٰذا قرأت کے معاملہ میں اُمّت کو قریش ہی کی لغت پر جمع کر دینا چاہیئے اور باقی قرأتیں ممنوع قرار دے دی جائیں۔ صحابہ نے اس تجویز کو بالاتفاق قبول کر لیا۔ حضرت عثمانؓ نے چار صحابہ کی ایک کمیٹی قائم کی جس میں حضرت زید بن ثابتؓ کے علاوہ تین قریشی، عبداللہ بن زبیرؓ، سعید بن العاصؓ اور عبدالرحمٰن بن حارثؓ بن ہشام شامل تھے۔ اس کمیٹی کے ذمہ یہ کام تھا کہ وُہ حضرت ابوبکرؓ کے تیار کردہ سرکاری نسخہ قرآن کی کئی نقلیں تیار کرے اور کتابت کے دوران میں قریشی زبان اور لہجہ کا التزام کرے۔ اگر ارکان کمیٹی کے مابین قرأت کا کوئی اختلاف واقع ہو تو اسے کمیٹی کے قریشی ارکان کے فیصلہ کے مطابق دور کیا جائے۔ حضرت عثمانؓ کی ان ہدایات کی روشنی میں قرآن کی سات نقلیں تیار کی گئیں جو مکہ، شام، یمن، بحرین، بصرہ اور کوفہ کو بھیجی گئیں اور ایک نقل مدینہ میں روک لی گئی۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے عاملین کو یہ ہدایت کی کہ رائج الوقت قرأتوں کو ختم کر کے نئے مصحف کی قرأت کو رائج کیا جائے اور اسی سے مزید نقلیں تیار کروا کر قرآن کی اشاعت کی جائے۔

قرآن مجید کی اس کتابت کے دوران خلیفۂ وقت نے مصحف صدیقیؓ کی ترتیب سے سر مو انحراف نہیں ہونے دیا۔ صحیح بخاری میں عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے آیت وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ کے متعلق حضرت عثمانؓ سے کہا کہ یہ آیت دوسری آیت سے منسوخ ہو چکی ہے، کیوں نہ اس کو نکال دیا جائے۔ تو انہوں نے جواب دیا یا ابن اخی لا اغیر شیئا منه من مکانه (بھتیجے، میں قرآن میں کسی آیت کو اس کے مقام سے نہیں ہٹا سکتا۔)

ابوداؤد، ترمذی اور نسائی میں حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت ملتی ہے کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ سورۂ انفال اور سورہ توبہ کو الگ رکھنے کے باوجود آپ نے ان دونوں کے درمیان آیت بسم اللہ نہیں لکھوائی آپ نے فرمایا کہ ہمارے علم میں یہ بات نہیں آئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک سورہ قرار دیا ہو یا ان کے

درمیان آیت بسم اللہ لکھوائی ہو۔ ہم نے جو تقسیم پائی ہے، اسی کے مطابق لکھنے کا حکم دیا ہے۔
معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لغت قریش پر اجماع کرنے کے فیصلہ کو نافذ کرنے میں بالکل کوتاہی نہیں کی۔ آپ نے لوگوں کے مرتب کردہ نسخہائے قرآن کو نہ صرف خلاف قانون قرار دیا بلکہ ان کے تلف کرنے کا حکم بھی دے دیا۔ جب کچھ اہل غرض نے آپ کے خلاف بغاوت کرنے کا ارادہ کیا تو ملک میں شورش برپا کرنے کے لئے انہوں نے دوسرے الزامات کے ساتھ قرآن کے نسخوں کی تلفی کے الزام کا بھی سہارا لیا۔ حالانکہ آپ کا یہ حکم بڑا اہم اور حفاظتِ قرآن کے نقطۂ نظر سے نہایت ضروری تھا۔
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس کارنامہ کو لوگ عموماً کوئی خاص اہمیت نہیں دیتے، لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس کی حقیقت صرف اسی قدر نہ تھی کہ کچھ لوگوں کے لغت کے اعتراض کو رفع کرنے کے لئے آپ نے قرآن کی کچھ نقلیں قریش کے محاورے کے مطابق لکھوا دی تھیں، بلکہ آپ نے اُمت کے اندر ایک ایسے اختلاف کو بروقت ختم کر دیا جس کے نتیجہ میں کسی بھی وقت قرآن کے الفاظ، لہجہ، ترتیب یا مفہوم پر مسلمانوں میں تلواریں سونت لی جاسکتی تھیں اور اس کی اصل حیثیت مشتبہ ہوسکتی تھی۔ آپ کا یہ فیصلہ کہ قرآن لغتِ قریش کے مطابق لکھا اور پڑھا جائے گا، اس قدر مبنی بر حقیقت تھا کہ اس کو بغیر کسی ردو قدح کے ساری اُمت نے قبول کر لیا۔ صحابہ کی قدر شناسی کا یہ عالم تھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے "کاش عثمان رضی اللہ عنہ قرآن کی اس کتابت کا شرف مجھے بخشتے"۔ مزید براں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہمارے لئے یہ سنت چھوڑی کہ مصحف صدیقی سے ذرا سا انحراف بھی کسی قیمت پر گوارا نہ کیا جائے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد کا دور

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ان خدمات کے بعد ان تمام اسباب کا سدِ باب ہوگیا جن سے قرآن کے متن یا اس کی صحیح قرأت کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوسکتا تھا۔ آپ کے بعد مصحف عثمانی کی نقلیں مسلمانوں میں پھیلیں اُمت نے رسم الخط میں انہی مصاحف کی مطابقت کا التزام کیا۔ یہی وجہ ہے کہ عربی کے موجودہ رسم الخط کے لحاظ سے قرآن کے بعض الفاظ کے شوشے یا کچھ ساکن حروف اگرچہ متروک ہو چکے ہیں تاہم قرآن کے موجودہ نسخوں میں ان کا آج تک التزام کیا جاتا ہے۔ جس قرأت پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اُمت کو متحد کیا تھا وہی قرأت مسلمانوں میں تواتر حاصل کرسکی ہے۔ باقی تمام قرأتیں متروک ہوگئیں۔
اب جبکہ پریس کے وسائل ہر شہر میں موجود ہیں اور قرآن کا نسخہ ایک ایک مسلمان کے گھر میں پایا جاتا

ہے، اُمت نے حفظ قرآن کے فریضہ سے غفلت نہیں کی۔ دنیا کے ہر گوشے میں ہزاروں مسلمان موجود ہیں جن کے سینوں میں قرآن محفوظ ہے، لاکھوں بچے ایسے ہیں جن کی معصوم زبانوں پر قرآن جاری ہوتا ہے اور جن کے تلاوت قرآن کے غلغلوں سے مسجد و مکتب گونجتے رہتے ہیں۔ دنیا میں مسلمانوں کی کوئی عبادت گاہ ایسی نہیں جس میں قرآن کا کچھ نہ کچھ حصہ روزانہ پڑھا جاتا ہو۔ حضرت عمرؓ کی سنت کو اُمت نے آج تک زندہ رکھا ہے اور رمضان المبارک میں مسلمان قرآن سننے کو بڑی فضیلت سمجھتے ہیں۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اُمت مسلمہ نے اپنی کتاب کی ہمیشہ حفاظت کی ہے اور کسی زمانہ میں بھی اس سے غفلت نہیں برتی اور یہ اُمت اپنے اس دعویٰ میں مخلص ہے کہ اس نے قرآن میں ایک شوشہ اور ایک لفظ کی تحریف گوارا نہیں کی۔ یہی مطلب ہے اس خدائی وعدہ کا، جس کا ہم نے مضمون کی ابتداء میں ذکر کیا تھا کہ

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ — بیشک ہم ہی نے ذکر نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہر موقع پر یہ وعدہ پورا کیا ہے اور جب تک دنیا قائم ہے وہ اس وعدہ کو پورا کرے گا۔

حفاظتِ قرآن پر چند اعتراضات اور انکے جوابات

جو لوگ قرآن کو غیر محفوظ ثابت کرنا چاہتے ہیں، ان کو اس کے لئے کوئی وزنی دلائل تو ملتے نہیں، البتہ چند چیزیں ایسی ہیں جن سے وہ فائدہ اٹھا کر ناواقفوں کے ذہنوں میں غلط فہمیاں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اب ہم ان کے اعتراضات کا جائزہ لے کر حقیقت حال کو متعین کرنے کی کوشش کریں گے :-

حضرت ابن مسعودؓ کا نسخۂ قرآن بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس قرآن کا جو نسخہ تھا اس میں سورہ فاتحہ اور معوذتین درج نہیں تھیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ صحابہ جس قرآن کو جانتے تھے اس کی سورتوں میں اور موجودہ قرآن کی سورتوں میں فرق ہے۔

جہاں تک ان روایات کا تعلق ہے بعض اہل فن انہیں موضوع اور لغو قرار دیتے ہیں اور جو اس حقیقت کو مانتے بھی ہیں تو ان کے نزدیک یہ سورتیں چونکہ حضرت ابن مسعودؓ کو حفظ تھیں اسلئے انہوں نے ان کی کتابت کی ضرورت نہیں سمجھی۔ قاضی ابوبکر، امام سیوطی، امام نووی اور ابن حزم کا یہی نظریہ ہے۔

ہمارے نزدیک ان روایات کی حیثیت سے قطع نظر صحابہ کے ذاتی نسخوں سے کوئی استدلال کرنا ہی صحیح نہیں۔ فرداً فرداً صحابہ نے مکمل قرآن لکھوانے کا اہتمام نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنی اپنی ضرورت کے لحاظ سے اس کے بعض حصے لکھ لیے اور بعض حصوں کو نہیں لکھا۔ لہٰذا ان نسخوں میں اختلاف کا پایا جانا ایک قدرتی امر تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے نسخہ قرآن یا حضرت عثمانؓ کی نقلوں کو وہ حیثیت حاصل تھی جو اہم سرکاری دستاویزات کو حاصل ہوتی ہے، انہی کے لئے ان کے شایانِ شان اہتمام بھی ہوا اور انہی پر ساری اُمت اور خود ابن مسعودؓ کا اتفاق بھی تھا۔

مذکورہ ضعیف روایات کے برعکس ہمیں حدیث کے مستند مجموعوں میں کئی ایسی روایات ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ فاتحہ اور معوذتین قرآن میں سے ہیں۔

مسلم کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معوذتین وہ سورتیں ہیں جن کی مثل سورتیں پہلے کسی نبی پر نازل نہیں ہوئیں۔ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نمازوں میں قرآن کی سورتوں کی حیثیت سے معوذتین کو پڑھا کرتے تھے۔

خود حضرت ابن مسعودؓ کی قرآن کی روایت جو عاصم کے واسطہ سے اُمت کو پہنچی ہے اس میں سورۂ فاتحہ اور معوذتین موجود ہیں۔ لہٰذا ان کے نسخہ قرآن سے مذکورہ اعتراض پیدا کرنا بالکل بے بنیاد ہے۔

جمع قرآن کا زمانہ | ایک طبقہ کا خیال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد جمع تدوین قرآن کا خیال کسی کو نہیں آیا۔ قرآن غیر مدون حالت میں ایک عرصہ تک رہا اور بالآخر حضرت عمرؓ یا علیؓ نے اس فریضہ کو انجام دیا۔ ان لوگوں کا تمام تر استدلال ابوداؤد کی دو روایات سے ہے۔

(۱) قال علی لما مات رسول اللہ صلی اللہُ علیہ وسلم الیت ان لا اخذ ردائی الا لصلوٰۃ جمعۃ حتی اجمع القرآن فجمعتہ (ابوداؤد)	علیؓ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو میں نے قسم کھائی کہ جب تک میں قرآن جمع نہیں کر لیتا میں نماز جمعہ کے سوا کبھی اپنے اُوپر چادر نہیں لونگا۔ پھر میں نے قرآن کو جمع کر لیا۔
(۲) عمر سال ایۃ من کتاب اللہ فقیل کانت مع فلان قتل یوم الیمامۃ فقال انا للہ وامر بجمع القرآن	حضرت عمرؓ نے کتاب اللہ کی ایک آیت کے بارے میں پوچھا تو انہیں بتایا گیا کہ وہ جنگ یمامہ کے فلاں مقتول کے پاس تھی۔ حضرت عمرؓ نے اناللہ پڑھا اور جمع قرآن

فکان اول من جمعہ فی المصحف (ابوداؤد)

کا حکم دیا۔ آپ پہلے شخص تھے جنہوں نے قرآن کو ایک مصحف کی شکل میں جمع کیا۔

ان دونوں روایات کا اگر فنی جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کی اسناد منقطع ہیں اس کے برعکس ہم نے بخاری کی نہایت مضبوط روایت سے اُوپر یہ استدلال کیا ہے کہ جمع قرآن کا کام حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں پایۂ تکمیل کو پہنچایا گیا تھا۔ اس روایت کو ترک کر کے منقطع روایات پر اپنے استدلال کی عمارت اُٹھانا کسی طرح درست نہیں۔ مزید برآں خود ابوداؤد ہی میں ایک حدیثِ حسن موجود ہے جس میں حضرت علیؓ کا ایک قول یوں نقل کیا گیا ہے۔

عن عبد خیر قال سمعت علیا یقول اعظم الناس فی المصاحف اجرًا ابوبکر رحمۃ اللہ علی ابی بکر ھو اول من جمع کتاب اللہ۔ (ابوداؤد)

عبد خیر سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کو یہ فرماتے سنا کہ مصحف کے بارے میں لوگوں میں سب سے زیادہ اجر کے مستحق ابوبکر ہیں۔ خدا ابوبکر پر رحم کرے، وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کتاب اللہ کو جمع کیا۔

حقیقت یہی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ وہ قرآن مجید کو ایک مصحف میں قلمبند کروائیں اور اُمت کو اس پر جمع کر دیں۔ دوسرے تمام اکابر صحابہ نے اس کام میں دل و جان سے تعاون کیا کیونکہ یہ کام کسی کا ذاتی کام نہ تھا بلکہ اُمت ہی کی ایک ذمہ داری تھی جس سے کوئی شخص اپنا دامن بچا نہ سکتا تھا۔

آیتِ رجم کی بحث

ابن اشتہ کی ایک روایت میں آتا ہے کہ مصحف صدیقی کی کتابت کے وقت حضرت عمرؓ آیتِ رجم لے کر زید بن ثابتؓ کے پاس آئے۔ زید نے دوسرا گواہ طلب کیا تو کوئی نہ تھا۔ لہذا یہ آیت لکھنے سے رہ گئی۔

اسی زید بن ثابت کا ایک واقعہ کثیر بن الصلت کے واسطہ سے یوں روایت ہوا ہے کہ جب زید بن ثابتؓ اور سعید بن العاصؓ مصحف کی کتابت کر رہے تھے تو زید نے سعید کو بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ آیت سُنی ہے کہ الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتۃ (جب ایک بوڑھا اور بڑھیا زنا کے مرتکب ہوں تو ان کو رجم کرو۔)

ان دونوں روایتوں میں حیرت کی بات یہ ہے کہ وہی زید بن ثابتؓ حضرت عمرؓ سے تو یہ آیت قبول

نہیں کرتے لیکن سعید بن العاص سے خود اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔

آیت رجم کی احادیث صورت واقعہ کے پہلو ہی سے مضطرب نہیں بلکہ آیت رجم کے الفاظ کے تعین میں بھی بے حد مضطرب ہیں۔ مثلاً تین احادیث میں اس کے الفاظ الگ الگ بیان کئے گئے ہیں۔ یعنی

۱۔ الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموھما البتة

۲۔ اذا زنا الشیخ والشیخة فارجموھما البتة بما قضیا من اللذة

۳۔ اذا زنا الشیخ والشیخة فارجموھما نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم

جس قرآن کی تعلیم و حفظ کا باقاعدہ نظام نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں محکم بنیادوں پر قائم کر دیا تھا، اس کی کسی آیت کی یہ حیثیت نہیں ہو سکتی کہ اس سے عام مسلمان ناواقف رہ گئے ہوں اور جو چند افراد اس سے واقف بھی ہوئے ہوں ان کی یادداشت کا یہ عالم ہو کہ وہ اس کے لفظوں پر متفق نہ ہو سکیں۔ روایات کا یہ اضطراب ہی حقیقت حال کو کھول دینے کے لئے کافی ہے۔

مزید برآں اس آیت کی زبان کسی اعتبار سے بھی قرآن کی زبان سے میل نہیں کھاتی۔ پھر اس میں واضح قانونی سقم موجود ہے۔ اس کے الفاظ سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ رجم کی سزا صرف بڈھے زانیوں کے لئے ہے جبکہ سنت ثابتہ یہ ہے کہ عادی مجرم اور شادی شدہ مرد و عورت، خواہ وہ بڈھے ہوں یا جوان اگر زنا کے مرتکب ہوں گے تو ان کو رجم کیا جائے گا۔ اس نام نہاد آیت کے الفاظ سے یہ مفہوم ہرگز نہیں نکلتا۔

ہمارے نزدیک ان الفاظ کو قرآن سے منسوب کرنا تو کسی طرح ثابت نہیں ہوتا البتہ حضرت عمرؓ کا وہ خطبہ ضرور قابل غور ہے جو مسلم نے بدیں الفاظ نقل کیا ہے۔

عن عبداللہ بن عتبہ انہ سمع عبداللہ بن عباس یقول قال عمر بن الخطاب وھو جالس علی منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ قد بعث محمداً (صلی اللہ علیہ وسلم) بالحق وانزل علیہ الکتاب فکان مما انزل	عبداللہ بن عتبہؓ سے روایت ہے کہ میں نے عبداللہ بن عباسؓ کو یہ فرماتے سنا کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ کے منبر پر بیٹھے ہوئے یہ کہا کہ خدا نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کیساتھ مبعوث کیا اور آپ پر کتاب اُتاری۔ جو کچھ آپ پر اتارا گیا اس میں آیت رجم بھی تھی جسے ہم نے پڑھا، یاد کیا اور سمجھا۔ رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے

علیہ اٰیۃ الرجم قرأناھا ووعیناھا و عقلناھا فرجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورجمنا بعدہ فاخشی ان طال بالناس زمان ان یقول قائل ما نجد الرجم فی کتاب اللہ فیضلوا بترک فریضۃ انزلھا اللہ وان الرجم فی کتاب اللہ حق علی من زنیٰ اذا احصن من الرجال والنسآء اذا قامت البینۃ او کان الحمل او الاعتراف

(مسلم۔باب رجم الثیب فی الزنیٰ)

بھی رجم کیا اور آپ کے بعد ہم نے بھی رجم کیا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کچھ مدت گزرنے کے بعد کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ قرآن میں رجم کا حکم نہیں ہے تو لوگ گمراہ ہو کر وہ فریضہ ترک کر بیٹھیں جو خدا نے عائد کیا۔ کتاب اللہ میں رجم کا حکم واجب ہے ہر اس زانی پر جو شادی شدہ ہو، خواہ مرد ہو یا عورت، اس وقت جب دلائل ثابت ہو جائیں یا حمل یا اعتراف کی شکل پیدا ہو جائے۔

اس خطبہ سے حضرت عمرؓ نے جو بات ثابت کرنی چاہی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں زنا کے لئے صرف کوڑوں کی سزا بیان ہوئی ہے۔ اس سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ محصن زانی کے لئے رجم کا حکم قرآن کا حکم نہیں ہے۔ یہ حکم بھی منشاء الٰہی کے مطابق ہے۔ حضورؐ نے اس کو قرآن کی آیات سے اخذ کیا، اپنی زندگی میں اسی کو نافذ کیا اور اُمت کو اسی کی تعلیم دی۔ ہم نے اس حکم کو سمجھا اور یاد رکھا اور حضورؐ کے اتباع میں ہم نے بھی محصن زانیوں کو رجم کیا۔ اس خطبہ پر اگر غور کیا جائے تو اس میں انکارِ سنت کے فتنہ سے خبردار کر کے سنت رسول اللہ کے بارے میں صحیح نقطہ نظر پیش کیا گیا ہے۔ حضورؐ نے قرآن مجید کے بے شمار احکام کی تفصیل کی اور ان کی حدود و شرائط متعین کیں لیکن یہ تمام پابندیاں قرآن کے اندر موجود نہیں ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے منشاء اور ہدایت کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو بتائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کے خطبہ سے جو لوگ آیت رجم کا وجود ثابت کرتے ہیں وہ دراصل اس کے ظاہری الفاظ ہی میں کھو جاتے ہیں، اس کی گہرائی میں اُترنے کی کوشش نہیں کرتے۔

مذکورہ روایت کے علاوہ بھی کچھ روایات ایسی ہیں جن سے قرآن مجید میں کمی بیشی ہونے کا استدلال کیا جاتا ہے۔ ان میں سے بیشتر روافض کی وضع کردہ ہیں اور فنی لحاظ سے اخبارِ احاد کی صف میں آتی ہیں۔ اس لئے قرآن کی اس روایت کے مقابل میں جس کے تواتر پر پوری اُمت گواہ ہے چند اخبارِ احاد کی کوئی اہمیت نہیں۔

اقتباسات وتراجم

تسخیر الحسن ندوی

ربع خالی کے بدوؤں کا اخلاق

ایک انگریز سیاح کے مشاہدات

عرب کا وسیع صحراء "ربع خالی" ڈھائی لاکھ مربع میل میں پھیلا ہوا ہے۔ اس میں بعض مقامات پر کچھ وادیاں بھی ہیں جن کی وجہ سے صحراء کے بعض خطے گل وگلزار نظر آتے ہیں۔ اس صحراء میں رہنے والے بدوؤں کی تعداد بہت کم ہے، اس کے باوجود ڈھائی سو بدو ہمہ وقت سیاحوں کی رہنمائی کے لئے تیار رہتے ہیں۔

اس صحرا کا سیاح اس بات کا کوشاں ہوتا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ ان مصائب وتکالیف کے برداشت کرنے پر قادر ہو جن کے خوگر اس کے رفیق سفر صحرائی بدو ہوتے ہیں۔ یہاں بہت سے علاقے ایسے ہیں جہاں ۲۵، ۳۰ سال سے پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں گرا۔ ان علاقوں کے باشندے ہمیشہ چارہ اور پانی کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں، اور جہاں کہیں ان کو پانی دستیاب ہو جاتا ہے اپنے ڈیرے ڈال دیتے ہیں۔ چارہ اور پانی کا یہ ذخیرہ جب ختم ہو جاتا ہے تو کسی نئی جگہ کی تلاش میں کوچ کر دیتے ہیں۔

ان خطوں کے باشندے صرف اونٹ اور شامیانے کے مالک ہوتے ہیں۔ چونکہ ان کی زندگیاں لمبے لمبے تھکا دینے والے سفروں پر مشتمل ہوتی ہیں، اس لئے یہ دونوں چیزیں ان کے لئے بہت ہی کارآمد ثابت ہوتی ہیں۔ ان کی غذا اونٹ کا دودھ ہوتی ہے اور ان کے محل ان کے شامیانے ہوتے ہیں۔

لیکن پھر بھی یہ بدو قابل تعریف ہیں کہ اس سخت اور تکلیف دہ زندگی، اور دنیا سے منقطع ہونے کے باوجود ایک نظام، ایک قانون، ایک مذہب کے تحت زندگی گزارتے ہیں جس کو وہ مذہب اسلام کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ وہ اس کے قوانین واحکام پر پابندی سے عمل کرتے ہیں۔ ان کا ایک دستور یہ بھی ہے کہ اپنے اپنے قبیلوں کیلئے ایک سردار منتخب کرتے ہیں اور پھر اس کی ہر بات کے آگے اپنا سر جھکا دیتے ہیں۔ وہ اس کے احکام

پر عمل کرنے ہی میں اپنی کامیابی سمجھتے ہیں، خواہ اس کے فیصلے کی رو سے ان کو سخت سے سخت سزا ہی کیوں نہ مل رہی ہو۔ طبیعتوں کے اعتبار سے وہ بہت ہی سادہ دل اور معصوم ہوتے ہیں ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جو انگریز کے نام سے ہی واقف نہیں، اکثر نے انگریز کی صورت نہیں دیکھی، اسی طرح اکثر بدو ایسے ملیں گے جنھوں نے کسی محل کو نہیں دیکھا، اور نہ ہی یہ محل کا نقشہ اپنے ذہنوں میں لا سکتے ہیں۔

جب آپ اس صحرا اعظم میں قدم رکھیں گے تو اپنے آپ کو بالکل تنہا پائیں گے لیکن یہ تنہائی اپنے دامن میں آزادی و محبت کو لئے ہوئے ہوگی۔ آپ دیکھیں گے کہ ان لمبے لمبے سفر کرنے والے بدوؤں میں محبت و شرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ یہ بدو صرف تفریح طبع کے لئے خوشیاں نہیں مناتے، بلکہ ان کی خوشی کی نوعیت ہی دوسری ہوتی ہے، ان کی خوشی کا ایک وقت وہ ہوتا ہے جب وہ کہیں ٹھنڈا اور شیریں پانی پاتے ہیں اور پھر لطف و تفریح کے ساتھ مل جل کر پیتے ہیں، ان کی خوشیوں کے دوسرے مواقع وہ ہوتے ہیں جب وہ کسی عمدہ قسم کی بھیڑ کا گوشت کھاتے ہیں، یا پھر ان کو اپنی عادت سے زیادہ آرام کرنے کا موقع مل جاتا ہے، یا سخت سردیوں کی راتوں میں وہ کسی الاؤ کے چاروں طرف گرمی حاصل کرنے کے لئے تفریحی گفتگو میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ بس یہی ان کی تفریحات ہیں جن میں ریاء و نمود کا شائبہ بھی نہیں ہے۔

میں اکثر سنا کرتا تھا کہ یہ بدو آپس میں بہت لڑتے ہیں، نیز یہ کہ معمولی معمولی باتوں پر ان میں نزاع پھوٹ پڑتی ہے، لیکن میں نے ان تمام باتوں کو ان کی زندگی کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد مبالغہ ہی پایا۔ ان میں لڑائی جھگڑے شاذ و نادر ہوتے ہیں جبکہ ہمارے یہاں آئے دن جھگڑے چلتے ہیں، یہ ضرور ہے کہ وہ بسا اوقات ایک ریال کی وجہ سے باہم گتھ جاتے ہیں، لیکن ان لڑائی جھگڑوں میں بھی وہ اپنے اُوپر سے شرافت و وقار کی عبا اتار نہیں پھینکتے، بلکہ جہاں بھی ان کو اپنے وقار کا خطرہ لاحق ہوتا نظر آیا انہوں نے لڑائی سے فوراً ہاتھ کھینچ لیا۔

لیکن اگر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ وہ بہت جھگڑالو ہوتے ہیں، پھر بھی اس بات سے مجال انکار نہیں کہ وہ بہت بڑے مہمان نواز بھی ہوتے ہیں۔ وہ کسی بھی مہمان کے لئے اپنے قیمتی اُونٹ جن کی قیمتیں ۱۵۰ ریال سے کسی طرح کم نہیں ہوتیں، بغیر کسی تکلف کے ذبح کر دیتے ہیں۔ میں نے خود بہت سے بدوؤں کو اس حال میں پایا کہ وہ کئی سال سے قحط سالی کا شکار تھے، اور مصائب و تکالیف میں مبتلا تھے۔ ان پر کئی کئی وقت کے فاقے ہو رہے تھے، اور آئے دن صحرائی آندھیاں ان کی تکالیف میں اضافہ کر رہی تھیں، لیکن جب ہمارے قافلے نے ان کے قبیلوں کے پاس اپنا ڈیرا ڈالا تو ان فاقہ مست بدوؤں نے ہماری خوب خوب خاطر و مدارات کی۔

ہماری مہمان نوازی میں انہوں نے کسی قسم کی کسر نہیں اٹھا رکھی - انہوں نے بہت سی بھیڑ بکریاں ہمارے سامنے ذبح کرکے ہماری خاطر و مدارات کی حالانکہ یہ بھیڑ بکریاں ان فاقہ کشوں کے لئے مہینوں کی غذا کی حیثیت رکھتی تھیں۔

ان بدوؤں کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ تمام معاملات میں ایک دوسرے کے برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ ہر شخص دوسرے کی مصیبت کو اپنی مصیبت تصور کرکے مصیبت زدہ کی امداد کے لئے کمربستہ ہوجاتا ہے۔ یہ لوگ چوری سرقہ کے نام سے بالکل ناواقف ہیں، دوسرے کی چیز کو ہاتھ لگانا ان کی فطرت کے خلاف ہے۔ ان کے پاس آپ اپنا قیمتی سے قیمتی سامان رکھ دیں، یا بھول جائیں تو یہ اس کو ہاتھ تک نہیں لگائیں گے بلکہ اس کی حفاظت اپنے ذمے لے لیں گے۔ اسیطرح الغرض ان میں ایک دوسرے کیلئے اخلاص و محبت کے جذبات ہمیشہ موجزن رہتے ہیں، البتہ دین کا مقام ان کی نظروں میں تمام دوسری چیزوں سے اعلیٰ وارفع ہے۔

مجھے وہ دن ابھی تک یاد ہے جب ہم ۳۶ گھنٹے کے مسلسل تکلیف دہ سفر کے بعد میٹھے پانی کے کنوئیں پر پہنچے اور ہم سب کا پیاس کی وجہ سے بہت ہی بُرا حال تھا، لیکن ہمارے یہاں پہنچنے سے تھوڑی دیر قبل ہمارے ایک رفیق قافلہ کا اونٹ گم ہوگیا تو وہ اس کی تلاش میں چلا گیا۔ بدوؤں کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ کھانا وغیرہ ایک ہی ساتھ کھاتے ہیں، اس لئے ہمیں اس وقت تک بھوکے پیاسے بیٹھے رہنا پڑا جب تک ہمارا رفیق اُونٹ کو تلاش کرکے واپس نہیں آگیا، اس کے واپس آنے میں تقریباً ۲ گھنٹے لگے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ ہم کسی رفیق سفر کے انتظار میں کھانا نصف شب کے بعد کھاتے، کئی دفعہ یہ اتفاق بھی ہُوا کہ ہم شدید انتظار کے بعد اپنے کسی ساتھی کی عدم موجودگی میں کھانا کھا لیتے اور اس کے لئے کھانا رکھ دیتے لیکن جب وہ واپس آتا اور اپنا کھانا دیکھتا تو اپنے ساتھیوں پر بہت ہی خفا ہوتا اور شکوہ کرتا کہ انہوں نے شکم سیر ہوکر کھانا نہیں کھایا ہے۔ اس کی اس ناراضگی اور شکوہ پر کسی کو اس کا ساتھ مجبوراً دینا پڑتا، کیونکہ انکار کی صورت میں نزاع کا خطرہ ہوتا تھا۔

بدوؤں کی ایک جماعت ایسی ہے جو صحرا کی ریت کو دیکھ کر ماضی کے وہ تمام واقعات و حوادث بتا دیتی ہے جو اس خطے پر اب تک پیش آچکے ہیں، یہاں تک کہ وہ اس پر بھی قادر ہوتے ہیں کہ ان واقعات کے سنین کا تعین کردیں۔ اسی طرح اس جماعت کے افراد کی قوت شامہ بھی بہت تیز ہوتی ہے، یہ لوگ بسا اوقات صرف قیاس و ظن کی بنا پر کسی سمت پانی کی تلاش میں نکل جاتے ہیں۔ اور چند دنوں کے بعد اپنے تمام برتنوں کو پانی سے بھر کر واپس لوٹ آتے ہیں۔ فی الجملہ یہ بدو عظیم لوگوں میں سے ہیں، میں نے ان کو حریت و آزادی کا دلدادہ، اخلاص

محبت سے معمور اور طاقت و قوت سے بھرپور پایا ہے۔

بقیہ حکمت صوم و جہاد

صفحہ ۳۲ سے آگے

لئے کئی شرائط بھی ہیں۔

رفع فساد کی خاطر جو لوگ جہاد کے لئے اٹھیں ان کے لئے سب سے مقدم شرط یہ ہے کہ وہ خود اپنے آپ کو شائبۂ فساد سے پاک کریں۔ جب تک خلیفہ اور اس کے متبعین خود عدل پر قائم نہ ہوں اس وقت تک ان کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ عدل قائم کرنے کے لئے تلوار لے کر اٹھیں۔

پھر اپنے ملک کے اندر بغیر ہجرت کے جہاد جائز نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی سرگزشت اور ہجرت سے متعلق دوسری آیات سے یہی حقیقت واضح ہوتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاد اگر صاحب جمعیت اور صاحب اقتدار امیر کی طرف سے نہ ہو تو وہ محض شورش، بدامنی اور فتنہ و فساد ہے۔

پھر قتال کی اجازت حصول قوت کے بعد دی گئی ہے۔ حضرت شعیبؑ کی سرگزشت میں اس کی دلیل موجود ہے۔ انہوں نے فرمایا

وَإِن كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنكُمْ آمَنُوا بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوا فَاصْبِرُوا حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَنَا۔

اگر ایک جماعت تم میں سے اس چیز پر ایمان لائی ہے جس کو دے کر میں بھیجا گیا ہوں اور دوسری جماعت ایمان نہیں لائی ہے تو صبر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالٰی ہمارے درمیان فیصلہ کر دے۔

مذکورہ بالا تینوں شرطوں کے ساتھ جہاد قیامت تک کے لئے واجب ہے۔ دین کے معاملہ میں جبر اور شورش و بدامنی جائز نہیں ہے لیکن حق کی شہادت اور تبلیغ اور مجادلہ حسنہ ہمیشہ ضروری ہے۔

بقیہ مضمون "تذکرہ و تبصرہ" —— صفحہ ۸ سے آگے

اس کے بعد، جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں، حجۃ اللہ البالغہ پڑھانے کا خیال ہے۔ ویسے مجھے توقع ہے کہ یہ طلبہ حجۃ اللہ البالغہ آسانی سے سمجھ سکتے ہیں، کم از کم جہاں تک اس کے دوسرے حصے کا تعلق ہے۔ لیکن اگر انہوں نے کچھ زحمت محسوس کی تو اس کا پہلا حصہ سبقاً پڑھا دیا جائیگا اور دوسرے حصہ کا خود اپنی نگرانی میں مطالعہ کرا دوں گا۔

قرآن مجید میں تاویل اور نظام کے ساتھ ساتھ حج اور حکمت کے مباحث سے بھی اب ان کو آشنا کرنے کی کوشش کی جائے گی اور یہ کام ان شاء اللہ اگلے رمضان شریف تک ختم ہو جائے گا۔ اس کے بعد انہیں کسی چیز کے استاذ سے پڑھنے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ مجھے اُمید ہے کہ وہ ہر چیز خود پڑھ سکیں گے اور اس کو پورے اعتماد کے ساتھ سمجھ سکیں گے۔ قرآن و حدیث کی تعلیم میں ان کی فکری تربیت اس طرح کی جا رہی ہے کہ اسلام کے ہر پہلو پر تحقیقی مطالعہ کا ان کے اندر ان شاء اللہ ذوق سلیم پیدا ہو جائے گا۔ احباب دعا کریں کہ یہ کام پابندی کے ساتھ جاری رہ سکے۔

عربی بول چال — حجاج کرام کے لئے رسالہ

مفت

ہمارے حجاج کرام عربی زبان سے ناواقفیت کی بنا پر حجازِ مقدس میں بہت دشواری اور پریشانی اُٹھاتے ہیں۔ ان کی سہولت کے لئے "مسلم اکادمی۔ ندر منزل ۱۸ محمد نگر لاہور" سے ایک مختصر جیبی سائز رسالہ شائع کیا گیا ہے —— جو خوش قسمت حضرات امسال حج کے لئے تشریف لے جا رہے ہیں وہ محض سات پیسے کا ٹکٹ محصول ڈاک کے لئے مع پتہ بھیج کر بلا قیمت طلب فرما دیں۔ ایک شہر کے مختلف حضرات یکجا منگالیں۔

حافظ نذر احمد (سابق لیکچرار اسلامیہ کالج)

تقریظ و تنقید

ہفت روزہ ندائے ملّت (صدیق حسن نمبر)

صفحات : ۵۶　　قیمت : ۵۰ پیسے

مقام اشاعت : دفتر ندائے ملّت　باغ گونگے نواب لکھنؤ

ہفت روزہ ندائے ملت　کے ابتدائی چند شماروں کو دیکھ کر ہی اس کے روشن مستقبل کی پیشین گوئی کی جا سکتی تھی۔ اب ایک قلیل عرصے میں اس نے مسلمانانِ ہند کی لی امنگوں کی ترجمانی میں ایک ممتاز مقام حاصل کر لیا ہے۔　جس خلوص، بے باکی، متانت، سنجیدگی، حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ اس نے ایک طرف حکومت کو مسلمانوں کے ساتھ انصاف کرنے اور ان کے حقوق ادا کرنے پر آمادہ کیا اور دوسری طرف خود مسلمانوں کو ان کے ملی وجود کے تحفظ پر ابھارا ہے وہ اسی کا حصہ تھا۔ حق تو یہ ہے، ہندوستان کے عام مسلمانوں کے لئے نہ تو نیشنلسٹ پریس کی حکومت کی جا و بیجا حمایت کوئی کشش رکھتی تھی اور نہ ہی جماعت اسلامی ہند کے خصوصی ترجمانوں کی گومگو کی پالیسی ان لئے باعث تسکین تھی ہند کا مسلمان میدانِ صحافت میں جو عظیم خلا محسوس کرتا تھا، ندائے ملت نے بڑی حد تک اس کو پر کر دیا ہے۔

ندائے ملت کا زیر نظر شمارہ یوپی کے ریونیو بورڈ کے ایک سینیئر ممبر سیّد صدیق حسن مرحوم آئی سی ایس کی یاد میں نکالا گیا ہے۔ ہند و پاک صحافت میں اس سے پہلے شاید ہی کبھی کسی سرکاری ملازم کو یہ اعزاز حاصل ہوا ہو۔ اس میں کچھ دخل تو مرحوم کی غیر معمولی ہر دلعزیزی، دلپسند اخلاق اور عوام دوستی کو ہے اور بہت کچھ ہندستانی مسلمانوں کے احساس تنہائی اور بے چارگی کو ہے ان کے لئے کسی چھوٹے سے سہارے کا ٹوٹ جانا بھی قیامتِ صغریٰ سے کم نہیں ہوتا۔ اس اشاعت کی ترتیب میں بیس پچیس اصحاب نے حصہ لیا ہے جن میں اگرچہ مولانا عبدالماجد دریا بادی اور ڈاکٹر یوسف حسن خان جیسے معروف اصحابِ قلم بھی شامل ہیں، مگر اکثریت ان غیر معروف حضرات کی ہے جن کا کسی نہ کسی حیثیت سے مرحوم کے ساتھ تعلق رہا تھا۔

ان مضامین میں بحیثیت وہ تاثرات ملتے ہیں جو مرحوم کے دوستوں، قریبی عزیزوں، عام چاہنے والوں اور ان سے ممنون ہونے والوں نے سادگی اور بے ساختگی کے ساتھ پیش کر دیئے ہیں۔ چونکہ مرتبین نے ان میں کوئی

تصرف نہیں کیا اس لئے تکرار، طول بیانی اور خام کاری کے عیوب باقی رہ گئے ہیں تاہم لکھنے والوں کا خلوص متاثر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس اشاعت میں مرحوم بحیثیت ایک انسان اور مسلمان کے زیر بحث آئے ہیں۔ وہ ایک آئی سی ایس افسر تھے اپنے والدین کے اطاعت گذار، رشتے داروں کے حقوق کے پاسبان، ہر چھوٹے بڑے کے غمگسار اور روایتی افسرانہ فرعون مزاجی سے کوسوں دُور تھے۔ ان کی اصول پرستی کا یہ حال تھا کہ انگریز گورنر کو اپنی میز پر شراب پلانے سے انکار کر دیا، انگریز افسروں کے مشوروں کے علی الرغم اپنے ہندوستانی بھائیوں سے ملنا جلنا ترک نہ کیا ہر چھوٹے بڑے کی مقدور بھر اعانت کی اور اسلام کے ساتھ وابستگی کا یہ حال تھا کہ درسِ قرآن کا اہتمام کروایا اور اپنے مِلنے جُلنے والوں میں اس کی تڑپ پیدا کی۔ سرکاری اہل کاروں کے لئے مرحوم ایک قابل تقلید انسان تھے۔

مرحوم کا ایک مضمون " ذہنی ارتداد" بھی شاملِ اشاعت ہے جس سے ان کی اصابتِ رائے اور اسلام کے لئے بے چینی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مرحوم کے متعلق یہ تو ذکر آتا ہے کہ وہ شعر بھی کہتے تھے مگر ان کے منتخب اشعار تک بھی شامل اشاعت نہیں۔

ہم اپنے قارئین سے اس نمبر کے پڑھنے کی پر زور سفارش کرتے ہیں۔

(م-ا)

ماہنامہ "میثاق" لاہور

کی جلدیں

○ "میثاق" کے اب تک کے شائع شدہ شماروں کے خواہشمند حضرات فوراً طلب فرمائیں۔

○ اس وقت تین چار شماروں کے سوا تمام پرچے دستیاب ہو سکتے ہیں۔

○ اب تک کل چالیس شمارے شائع ہوئے ہیں۔

○ قیمت فی پرچہ ساٹھ پیسے، پُرانے یا نئے مستقل خریداروں سے پچاس پیسے۔

ملنے کا پتہ

منیجر ماہنامہ "میثاق" رحمانپورہ اچھرہ ——— لاہور ۱۲

محی الدین پرنٹر پبلشر نے نقوش پریس لاہور میں چھپوا کر دفتر میثاق رحمانپورہ اچھرہ لاہور ۱۲ سے شائع کیا۔

Regd. No L. 7360

Monthly "MEESAAQ" Lahore.

JANUARY 1964

چند اہم مطبوعات

تصانیف مولانا امین احسن اصلاحی

تدبر قرآن (قرآن فہمی کی رہنما)	3—25
تدبر قرآن (تفسیر آیہ بسم اللہ و سورہ فاتحہ)	0—75
اسلامی قانون کی تدوین	3—00 و 2—00
عائلی کمیشن رپورٹ پر تبصرہ	2—25
تزکیہ نفس	6—00 و 3—75

مطبوعات دیگر مصنفین

حضرت محمد ص	22—50
(آنحضرت ص) سیرت ابن ہشام	10—00
ابوبکر رض صدیق اکبر	10—00
عمر رض فاروق اعظم	20—00
امام اعظم رح	4—00
حیات امام احمد بن حنبل رح	10 00
آثار امام شافعی رح	12—00
حیات امام مالک رح	10—00
حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ رح	21—00
تعبیر کی غلطی (جماعت اسلامی کا جائزہ)	6—00
زاد سفر (حصہ اول)	3—75
قادیانیت	4—00
ISLAM & THE WORLD	4—00

مکتبہ میثاق (رحمان پورہ) اچھرہ - لاہور-12